قاتلِ اعظم

ڈاکٹر ساجد امجد

لوٹ مار، قتل و غارت شاید ان کا شعار تھا۔ باھمی جھگڑوں اور قبائلی جنگوں کے عادی یہ لوگ جب اپنے علاقوں سے نکلے تو انہیں پُرسکون شہری زندگی اور تعلیم، تہذیب یا تمدن جیسے الفاظ سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور جب انھوں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ان پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ چنگیز خان نے اپنا اقتدار اور قوت قائم رکھنے کے لئے جس طرح اپنے دشمنوں کو تاراج کیا، شہروں اور آبادیوں کو ویران اور انسانوں کا قتلِ عام کیا تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ھے۔ اور اس کی وجہ اس نسل کی فطری وحشیانہ سرشت بھی تھی اور ذاتی اقتدار اور اپنی بڑائی کی دھاک بٹھانا بھی۔ تموچن کے ھاتھوں ھندوستان شاید صرف اس لئے بچا رہ گیا کہ یہ گرم علاقوں پر مشتمل تھا اور برفانی علاقوں کے منگول اس "آگ" میں ھرگز نہیں رہ سکتے تھے۔

خون کے دریا بہا کر لاشوں پر کھڑے ہو کر فتح کے نعرے لگانے والے منگولوں کی تباہ کاریاں

صحرائے گوبی کے شمالی حصے میں بادو رعد کے سخت طوفانی جھکڑ چل رہے تھے۔ بلند و بالا ٹیلے اپنی ریت کا تحفہ لے کر آسمان کی طرف جا رہے تھے۔ گرمیوں کا موسم تھا لیکن ابھی ابھی برف باری ہو چکی تھی۔ گلہریوں اور چوہوں کا شکار کرنے والے بچے اپنے اپنے خیموں میں دبکے ہوئے تھے۔ تومند جنگ جو موسم کی شدت سے تنگ آئے ہوئے ریچھوں اور ہرنوں کا شکار کر کے گھروں کو لوٹ آئے تھے۔

وہ اپنے خیمے میں گوبر کی جلتی ہوئی آگ کے نزدیک بیٹھا تھا۔ ایک بڑی دیگ میں ہرن کے گوشت کی بوٹیاں پکنے کے لیے چڑھا دی گئی تھیں۔ گھر انے کی عورتیں کچھ فاصلے پر بیٹھی ریچھ کی چربی پگھلا رہی تھیں کہ کیا خبر کل سردی میں مزید اضافہ ہو جائے اور مردوں کو بدن پر ملنے کی ضرورت پیش آ جائے۔

یہ خیمہ سمور کا بنا ہوا تھا۔ سمور پر چونے کی سفیدی پھری ہوئی تھی اور زیبائش کے لیے تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ یہ عجیب طرح کا خیمہ جو "یورت" کہلاتا تھا ایک گاڑی پر کھڑا کر دیا جاتا تھا جسے درجن بھر بیل کھینچتے اور چراگاہوں اور میدانوں میں لیے پھرتے تھے۔

اس کی عمر صرف تیرہ سال تھی لیکن خانہ بدوشی کی جفاکشی اور موسموں کی شدت نے اس کی ہڈیوں کو اتنا مضبوط بنا دیا تھا کہ بھرپور جوان معلوم ہوتا تھا۔ جسم کی طاقت اور سیدھی اٹھان کی وجہ سے دوسرے لڑکوں سے ممتاز نظر آتا تھا۔ اس کے شانے ہموار اور جلد گندم گوں تھی۔ ڈھلی ہوئی پیشانی کے نیچے اس کی آنکھیں ایک دوسرے سے دور دور تھیں لیکن ترچھی نہیں تھی۔ آنکھوں کے تل بھورے تھے جو اس کی خاندانی پہچان تھے۔ اس کا خاندان ان ہی بھوری آنکھوں کی وجہ سے بھوری آنکھوں والے مغل کہلاتا تھا۔ اس کے سرخی مائل بال چوٹیوں میں گندھے ہوئے اس کی پیٹھ پر پڑے تھے۔ وہ بہت کم بات کرتا تھا لہٰذا اس وقت بھی خاموش تھا جبکہ اس کے سوتیلے بھائی ایک دوسرے قبیلے کی بزدلی کی داستانیں مزے لے لے کر سنا رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ گیت بھی گانے لگتے تھے جو انہوں نے قبیلے کے بوڑھے گویوں سے سن کر یاد کر لیے تھے۔ یہ بوڑھے گویے ان رزمیہ گیتوں کو یک تارے پر گاتے ہوئے ایک خیمے سے دوسرے خیمے کے سامنے سے گزرتے تھے۔ یہ گیت بھوری آنکھوں والے مغلوں کے اجداد کی شان میں ہوتے تھے۔ ان گیتوں کے ذریعے ہی یہ بچے جان سکے تھے کہ وہ اعلیٰ نسب کے ہیں۔ دوسرے قبیلوں سے ممتاز ہیں۔

وہ اس کم عمری میں چھوٹے موٹے شکار اور گلے کی

نگہبانی کے فرائض سے سبکدوش ہو کر گھوڑے پر سوار ہونے کا اعزاز حاصل کر چکا تھا اور جس دن سے اس نے اپنے ایک سوتیلے بھائی کو قتل کیا تھا، اس کا شمار چنگیز کے طور پر ہونے لگا تھا اس لیے اسے یہ اجازت بھی مل گئی تھی کہ آگ کے قریب بیٹھ سکتا ہے اور مردوں کے ساتھ کھانا کھا سکتا ہے ورنہ تو اسے بچے کھچے کھانے پر ایک ایک بوٹی کے لیے بچوں سے لڑنا پڑتا تھا۔

اس کا باپ یسوکائی بہادر، یا کا مغل قبیلے کے چالیس ہزار خیموں کا سردار تھا اور وہ اس کا سب سے بڑا بیٹا چنگیز خان جسے اس کا باپ ہمیشہ تموچن کہہ کر پکارتا تھا۔ کیونکہ جس دن وہ پیدا ہوا تھا اس دن اس کے باپ نے اپنے ایک دشمن کو زندہ گرفتار کیا تھا۔ اس دشمن کا نام تموچن تھا۔ اس نے اپنے اس نومولود بیٹے کو تموچن کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔

یسوکائی بہادر کی کئی بیویاں تھیں۔ ہر بیوی کا الگ الگ یورت تھا جن میں وہ اپنے اپنے بچوں کے ساتھ رہتی تھیں۔ یسوکائی ایک ایک دن ہر بیوی کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ آج اسے چنگیز خان کی ماں اولون کے گھر آنا تھا۔ اسی لیے جیسے ہی کھانے کا وقت ہوا چنگیز خان کے چچا، ان کے بیٹے، سوتیلے بھائی سب جمع ہو گئے۔ اب صرف یسوکائی کا انتظار تھا۔ جانوروں کے سور کا لباس پہنے وہ اندر داخل ہوا۔ جتنے لوگ بیٹھے تھے سب نے سجدے کے انداز میں جھک کر اس کا استقبال کیا۔

قبیلے کی رسم کے مطابق سب سے پہلے جوان مردوں نے کھانے کا حق ادا کیا جن میں چنگیز خان بھی شامل تھا۔ اس کے بعد عورتوں کی باری تھی پھر بچوں کو اشارہ ملا اور وہ کھانے پر جھپٹ پڑے۔ انہیں لڑتے دیکھ کر بڑے دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے۔

''جو کھانے پر نہیں لڑ سکتا، وہ نئی چراگاہیں کیسے تلاش کرے گا۔'' یسوکائی نے کہا اور کئی قہقہے ایک ساتھ بلند ہو گئے۔

''بگدو دیوتا آج غصے میں ہے۔ باہر دیکھو کیسا طوفان ہے۔'' چنگیز خان کے ایک چچا نے قہقہے تھمنے کے بعد کہا۔

''یا کا مغل کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ طوفان سے خائف ہو۔'' یسوکائی نے کہا۔

''ہوائیں گھوڑوں کا منہ پھیرے دے رہی ہیں۔'' ایک دوسرے چچا نے کہا۔

''میں اسی طوفان میں گھوڑے پر سوار ہو کر دکھاؤں گا اور میرا بیٹا تموچن بھی میرے ساتھ ہوگا۔''

''خان! کیا غضب کرتے ہو۔ یہ موسم کوئی باہر نکل کر سواری کرنے کا ہے؟'' یسوکائی کی بیوی نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیا۔

''عورتوں کو کیا حق ہے کہ وہ ایسے معاملات میں بولیں۔'' یسوکائی نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی چنگیز خان بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ چنگیز خان کی سرخ گھوڑی اسے دیکھ کر ہنہنائی۔ یسوکائی نے رسی ڈال کر زین کسی، ترکش میں تیر رکھے اور سوار ہو گیا۔ چنگیز خان نے اپنا پسندیدہ چھوٹا نیزہ ساتھ لیا اور سرخ گھوڑی پر بیٹھ گیا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کا باپ اسے کہاں لے جا رہا ہے۔

وہ ایک اجنبی جنگجو کے خیمے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اجنبی چاول کی بنی ہوئی شراب سے ان کی تواضع کر رہا تھا۔ چنگیز خان بہت دیر سے ایک لڑکی کو خیمے میں ادھر ادھر آتے جاتے دیکھ رہا تھا۔ جب نشے نے انگڑائی لی اور چنگیز خان کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں تو وہ لڑکی اسے آسمان سے اتری ہوئی حور معلوم ہونے لگی۔ پہلے تو اس نے سوچا، وہ اسے زبردستی اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا لے لیکن پھر اسے یسوکائی کا خیال آ گیا۔ شاید بڑا خان اس حرکت سے خوش نہ ہو۔ گوشت بھونے جانے کی خوشبو آ رہی تھی لیکن اس کی بھوک اڑ گئی تھی۔ وہ لڑکی ایک مرتبہ پھر دسترخوان بچھانے کے لیے آئی۔

''کیا میں اسے اپنی بیوی بنا سکتا ہوں۔'' اس نے سرگوشی میں یسوکائی سے کہا۔

''پاگل مت بنو۔ وہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔'' یسوکائی نے کہا۔

''جب وہ بڑی ہو جائے گی تو ہمارے قبیلے میں ستارے کی طرح چمکے گی۔ اس کی چال دیکھو جیسے میرا بھائی قسار اپنی کمان کھینچتا ہے۔''

یسوکائی سمجھ گیا کہ اس کا بیٹا ضد پر آ گیا ہے۔ ماننے والا نہیں۔ یہ نہ ہو کہ وہ کسی دن اسے زبردستی اٹھا کر لے جائے۔ اس نے خود بھی یہی کیا تھا۔ چنگیز خان کی ماں کو عین شادی والے دن اٹھا کر لے آیا تھا جب وہ اپنے دولھا کے ساتھ رخصت ہونے والی تھی۔ اس قبیلے کی دشمنی وہ اب تک جھیل رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا اس طرح کی مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ اس نے جانچنے والی نظروں سے لڑکی کو دیکھا تو اسے بھی وہ اچھی خاصی نظر آئی۔ ان کا میزبان، ہرن اور دنبے کے تکے ان کے لیے ایک بڑے تھال میں انڈیل چکا تھا۔ وہ خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا کہ آج بڑا خان اس کا مہمان بنا ہے۔ یسوکائی نے موقع غنیمت جان کر ذکر چھیڑ دیا۔

''تمہاری لڑکی کا نام کیا ہے؟''

''بورتائی۔''

''بہت خوب صورت ہے۔ میرے لڑکے نے اسے پسند کرلیا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''بڑے خان، اس سے زیادہ خوش قسمتی میری اور کیا ہوسکتی ہے۔ مگر وہ بہت چھوٹی ہے۔ صرف نو سال کی ہے پھر بھی تم اسے دیکھ بھال لو۔''

''میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ بس اب تم رشتے کی بات کرو۔''

دوسرے دن رشتہ طے ہوگیا۔ یسوکائی نے چنگیز خان کو وہیں چھوڑا تاکہ وہ چند روز یہاں رہ کر لڑکی اور اس کے باپ کی عادتوں سے اچھی طرح واقف ہوجائے اور خود روانہ ہوگیا۔

لڑکی نے سنا کہ اس کا رشتہ طے ہوگیا ہے اور وہ بھی چالیس ہزار خیموں کے سردار، بڑے خان کے بیٹے کے ساتھ تو اس کی صاف رنگت سرخی میں بدل گئی۔ وہ چنگیز خان کو دیکھ چکی تھی۔ اس کی چمک دار آنکھیں اسے بہت پسند آئی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی، جو ایسے مہیب طوفان میں گھوڑے پر سوار ہو کے یہاں تک آ گیا وہ کتنا بہادر ہوگا۔

لڑکی کے باپ نے چنگیز خان کو اپنے ساتھ گھڑ سواری کی دعوت دی۔ موسم خوش گوار ہوگیا تھا۔ خیمے سے نکلتے ہی دو چھوٹی چھوٹی ندیوں کا چکر کاٹنے کے بعد ایک پہاڑی نظر آئی جو صنوبر کے درختوں سے لدی ہوئی تھی۔ چنگیز خان نے اپنی سرخ گھوڑی کی راسیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ مالک کا اشارہ پاتے ہی بجلی کی سی رفتار سے پہاڑی کی طرف دوڑنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے عمودی پہاڑی پر تیر کی طرح سیدھی چڑھنے لگی۔ اجنبی جنگجو اسے روکتا رہ گیا اور چنگیز خان پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ آج تک کسی کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ گھوڑے سمیت پہاڑی پر چڑھتا۔ میزبان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اس نے ہمت کی کہ وہ بھی پہاڑی عبور کرکے چنگیز خان سے جا ملے لیکن تلملا کر رہ گیا۔ اس کا گھوڑا دو پیروں پر کھڑا ہو کر پہاڑی کی طرف جانے سے انکار کر رہا تھا۔ وہ بے قراری سے چنگیز خان کے نیچے اترنے کا انتظار کرنے لگا پھر اس نے دیکھا کہ اس کا ہونے والا داماد جو ابھی صرف تیرہ سال کا ہے، جس شان سے اوپر گیا تھا اسی شان سے نیچے کی طرف آرہا ہے۔ کہاں باگیں ڈھیلی چھوڑنی ہیں کہاں کھینچنی ہیں، وہ ایک ماہر شہ سوار کی طرح خوب اچھی طرح جانتا تھا۔ شہسواری سے زیادہ بہادری ہے جو اسے اوپر لے گئی تھی اور اب نیچے لا رہی ہے۔

سوانحی خاکہ

نام......تموچن
خطاب......چنگیز خان (سرداروں کا سردار)
والد......یسوکائی بہادر
والدہ......اولون
بیٹے......جوجی، چغتائی، اوغدائی، تولی
پیدائش......1160ء
وطن......صحرائے گوبی
وفات......1227ء
(یہ کہانی ہیرلڈلیم کی کتاب ''چنگیز خان'' کی تلخیص ہے۔)

''خان تم نے تو کمال کر دیا۔ اگر تمہیں کچھ ہوجاتا تو میں بڑے خان کو کیا جواب دیتا۔'' میزبان نے نیچے آتے ہی چنگیز خان سے کہا۔

''مغل ہو کر ڈرتے ہو۔ تم بھی تو ہماری طرح بھوری آنکھوں والے مغل ہو پھر بھی خائف ہو۔ میرے جدِ امجد قبل خان نے ختا کے شہنشاہ کی داڑھی نوچی تھی۔ میں یہ پہاڑی عبور نہیں کرسکتا؟''

''خان، یہ بہادری نے بھی بڑھ کر کوئی چیز ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہوا ہوں۔ تم میری بیٹی کی حفاظت خوب اچھی طرح کرسکو گے۔ میں بورتائی سے کہوں گا، آج وہ تمہیں اپنے ہاتھ سے شراب پلائے۔''

دن بھر شہ سواری کرنے کے بعد جب وہ خیمے پر پہنچے اور چنگیز خان نے گھوڑی کی پیٹھ چھوڑی تو بورتائی اس کے استقبال کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اس کی چوٹیاں چاندی کے سکوں اور رنگ رنگ کے موتیوں سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ اس کا سفید سمور کا لباس اندھیرے میں چاندنی بن کر چمک رہا تھا۔ رسم کے مطابق اس نے مہمان کا ہاتھ تھاما اور مورنی کی طرح چلتی ہوئی اسے خیمے میں لے جا کر بٹھا دیا۔

''پتا ہے، آج اس نے شہ سواری میں کیا کمال دکھایا؟''

''کیا گھوڑی کے بغیر سواری کی؟'' بورتائی نے شوخی سے کہا۔

''ارے نہیں، صنوبر والی پہاڑے پر گھوڑی سمیت چڑھ گیا۔''

''آج تک تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔'' بورتائی نے کہا۔

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ تو خوش قسمت ہے۔ اس لیے آج تو اسے اپنے ہاتھ سے شراب پلائے گی۔''

''اور یکتارے پر کوئی دھن بھی سناؤں گی۔''

''ہاں ہاں۔ بس اب جا اور اپنی ماں کے ساتھ مل کر کھانے کا بندوبست کر۔ خان کو آرام کرنے دے۔''

بورتائی نے ناگواری سے سنا اور بے دلی سے اٹھ کر چلی گئی۔ چنگیز خان خود یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اٹھ کر جائے لیکن روک بھی نہیں سکتا تھا۔ اس وقت بورتائی اسے بہت حسین معلوم ہو رہی تھی۔ وہ خاص طور پر اس کے لیے تیار ہوئی تھی۔ یہ بہت اچھی بیوی ثابت ہوگی۔ اسے معلوم ہے کہ تھکا ہوا مرد جب گھر آتا ہے تو اس کا استقبال کس طرح کیا جاتا ہے۔ وہ مذاق بھی اچھا کر لیتی ہے۔ کس انداز سے کہہ رہی تھی کہ کیا گھوڑی کے بغیر شہ سواری کی تھی۔ اسے دل ہی دل میں ہنسی آ گئی۔ اس نے ہرن کی کھال سے بنے ہوئے جوتے اپنے پیروں سے الگ کیے اور آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔

خیمے میں مشعلیں روشن ہوئیں تو اسے اٹھا دیا گیا۔ اس کا میزبان اسے ایک دوسرے خیمے میں لے گیا۔ خیمے کا یہ حصہ اپنی زیبائی میں اپنی مثال آپ تھا۔ دیواروں پر لٹکے ہوئے ہتھیار نہایت شاندار منظر پیش کر رہے تھے۔ چھوٹے ترکی نیچے، نیزے، ہاتھی دانت کے بنے ہوئے ترکش، چمڑے کی ڈھالیں۔ یہ سب وہ چیزیں تھیں جو اس کے خسر نے قبائلی جنگوں میں لوٹ مار سے حاصل کی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اس کی شادی کسی غلط جگہ نہیں ہو رہی ہے۔

کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ اس کی ساس اور دوسری عورتیں اس خیمے میں آ کر بیٹھ گئیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ان کے معیار پر پورا اتر چکا ہے۔ نوکروں نے چمڑے کے تھیلوں میں شراب اور پینے کے لیے برتن لا کر رکھ دیے۔ بورتائی اک شانِ بے نیازی سے اٹھی۔ پہلے کچھ شراب انڈیل کر چاروں طرف ہواؤں کے لیے بکھیر دی اور پھر لکڑی کے ایک پیالے میں شراب بھر کے چنگیز خان کے ہونٹوں تک لے گئی۔ چنگیز خان نے پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا اور پھر بورتائی کے مخروطی ہاتھوں نے پیالہ اس کے ہاتھوں میں دے دیا۔

ہر دور اسی طرح شروع ہوتا رہا۔ جب کئی دور ہو چکے تو بورتائی نے یکتارا سنبھال لیا۔ ایک مسحور دھن نے ماحول میں ایک ساتھ کئی رنگ بکھیر دیے۔ یہ دھن ختم ہوئی تو بورتائی نے یاکا مغلوں کی شان میں ایک گیت چھیڑ دیا۔ اس کی آواز پہاڑوں سے گرنے والے جھرنے کی طرح صاف تھی۔ چنگیز خان کا نشہ گہرا اور گہرا ہوتا گیا۔

''تمہاری لڑکی کی آواز میں جادو ہے۔ بس بہت ہو چکا۔ بڑے خان کے آتے ہی میں اسے اپنی دلہن بنا کر لے جاؤں گا۔'' اس نے نشے سے بوجھل آواز کو سہارا بناتے ہوئے کہا۔

یہ بات بہت صاف گوئی سے کہی گئی تھی لیکن بارھویں صدی کے صحرائے گوبی میں بسنے والے خانہ بدوشوں کے لیے کوئی ایسی انوکھی بھی نہیں تھی۔ سب لوگ اسے پسند بھی کر چکے تھے۔ اس لیے سب ہی نے اس کی تائید کی۔

''بس کل پرسوں میں بڑے خان آ جائیں گے۔ پھر یہ فیصلہ ہو جائے گا۔''

رات بھر اس خیمے میں جشن کا سماں رہا۔ وہ بہت دیر میں سویا۔ سورج نے ابھی کرنوں کا جال پوری طرح بچھایا بھی نہیں تھا کہ اس کے میزبان نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ ایسی بدتمیزی کی اسے توقع نہیں تھی۔ اس کا ماتھا اسی وقت ٹھنک گیا تھا کہ کوئی بات ضرور ہے۔

''کوئی مغل گھوڑے پر سوار آیا ہے۔ اس کے پاس کوئی خبر ہے جو وہ صرف تمہیں سنانا چاہتا ہے۔'' اس کے میزبان نے اسے اطلاع دی اور وہ خیمے سے باہر نکلا۔

''یسوکائی بہادر نے کچھ دشمنوں کے خیمے میں رات گزاری تھی۔ شاید انہیں زہر دے دیا گیا۔ وہ مرنے کے قریب ہیں اور تمہیں یاد کر رہے ہیں۔''

چنگیز خان اپنی سرخ گھوڑی پر سوار ہوا اور جتنی تیزی سے دوڑ سکتا تھا اپنی بستی کی طرف دوڑ پڑا۔ ابھی وہ بستی سے کچھ فاصلے پر تھا کہ اس نے عجیب منظر دیکھا۔ اس کے قبیلے کے لوگ، قبیلہ چھوڑ کر جا رہے ہیں اور اس کی ماں نو دموں والا یاک مغل پرچم ہاتھوں میں اٹھائے ان کا تعاقب کر رہی ہے اور منت سماجت کر کے انہیں روک رہی ہے۔

اس کا باپ اس کے پہنچنے سے پہلے مر چکا تھا اور قبیلے کے لوگ سردار کا پرچم چھوڑ کر نئے آقاؤں اور پاسبانوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ ایک عورت ہمیں کیا تحفظ فراہم کر سکتی ہے۔ کوئی بھی طاقت ور قبیلہ ہم پر چڑھ دوڑے گا اور ہمارے مال مویشی لوٹ کر چلا جائے گا۔ یسوکائی بہادر کی ہیبت ختم ہو گئی۔ نادیدہ دشمنوں کی آنکھیں اب ہماری طرف اٹھنے ہی والی ہیں۔ اب تمام دشمن یسوکائی کا بدلہ ہم سے لیں گے۔

اولون نے جیسے ہی اپنے بیٹے چنگیز خان کو دیکھا، وہ خوشی سے چیخ اٹھی ''وہ دیکھو، تمہارا نیا سردار یسوکائی کا سب سے بڑا بیٹا چنگیز خان آ گیا ہے۔ اب تم سب لوٹ چلو۔ تمہاری حفاظت کی ذمے داری یہ لے گا۔''

سرد ترین شہر

یلغار (سائبیریا کا سرد ترین شہر۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ سائبیریا اسکینڈے نیویا کے ممالک میں آتا ہے) کا چرچا کافی دنوں سے میرے کانوں میں پڑ رہا تھا۔ سوچا کیوں نہ اسے بھی ایک نظر دیکھ لوں اور انتہائی چھوٹی رات اور انتہائی چھوٹے دن کی جو حکایتیں سنی ہیں ان کے بارے میں بھی معلوم کرلوں۔ یلغار اور لشکر سلطان کے مابین دس منزل کی مسافت تھی۔ میں نے استدعا کی مجھے وہاں تک پہنچانے کے لیے کوئی شخص مل جائے۔ چنانچہ میری ہم رکابی میں ایک شخص بھیجا گیا۔ میں وہاں رمضان میں پہنچا تھا۔ جب ہم نے مغرب کی نماز پڑھی اور افطار کیا، ابھی افطار کرنے ہی میں مشغول تھے کہ عشا کی اذان ہوگئی۔ چنانچہ نماز عشا میں شرکت کی۔ نماز تراویح، شفع اور وتر پڑھے اور کچھ دیر بعد ہی فجر کا وقت طلوع ہوگیا اس طرح دن کو چھوٹے ہونے کا زمانہ آتا ہے۔

(سفرنامۂ ابن بطوطہ اردو ترجمہ از رئیس احمد جعفری سے اقتباس)

مرسلہ۔ قیصر شاہ، گمبٹ، تحصیل وضلع کوہاٹ

''ایک تیرہ سال کا لڑکا ہماری کیا حفاظت کرے گا۔ اپنے ساتھ ہمیں بھی مروا دے گا۔'' لوگوں نے کہا اور آگے بڑھنا شروع کردیا۔

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن پر اولوں کی باتوں کا اثر ہوا تھا۔ وہ سر جھکائے کھڑے تھے مگر ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ دو تہائی لوگ انہیں چھوڑ کر جا چکے تھے۔ چنگیز خان نے نوموں والا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اپنی گھوڑی کو دلکی چال چلاتا ہوا اپنے خیموں کی طرف چلا۔ اس کے پیچھے پیچھے قبیلے کے بچے کھچے لوگ تھے۔

چنگیز خان، گھوڑے کی سفید کھال پر، یاکا مغلوں کا نیا خان ہوکر بیٹھا لیکن اس کے ساتھ قبیلے کے صرف چند سو افراد تھے اور ان میں بھی کوئی بڑا جنگجو نہیں۔ اس پر مزید اندیشہ یہ کہ مغلوں کے تمام پرانے دشمن یسوکائی کی موت سے فائدہ اٹھا کر اس سے اپنا بدلہ چکائیں گے۔

☆☆☆

ترغا تائی عرصہ دراز سے شمالی گوبی پر نظریں جمائے ہوئے تھا جہاں یسوکائی کی حکومت تھی۔ شمالی گوبی کی چراگاہوں کو سیراب کرنے کے لیے دو ندیاں موجود تھیں۔ شکار کثرت سے ملتا تھا اور پانی کی افراط تھی۔ یہ چیزیں خانہ بدوشوں کے لیے بڑی اہمیت کی حامل تھیں۔ یسوکائی کی زندگی میں کسی کی جرأت نہیں تھی کہ ان چراگاہوں کی طرف قدم بڑھاتا لیکن جیسے ہی بڑے خان کی موت کی خبر ترغا تائی کو پہنچی، اس نے اپنے قبیلے کو جمع کرلیا۔

ترغا تائی، تائجوت قوم کا سردار تھا جو مغلوں کے نسلی دشمن تھے۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی محکوم قوم، مغلوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے اس کا پورا ساتھ دے گی۔

''کیا میں تمہیں ایسی خبر نہ سناؤں جسے سننے کے لیے تم برسوں سے بے قرار تھے؟''

''سردار ترغائی! زندہ باد۔'' سب نے نعرے لگائے۔

''تمہارا سب سے بڑا دشمن یسوکائی مر چکا۔ اس کا تیرہ سالہ بیٹا سردار بن گیا ہے۔ وہ اتنا کمزور ہے کہ اس کے قبیلے کے لوگ یا تو اسے چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں یا پھر منتشر ہوکر اپنی حفاظت کا انتظام خود کررہے ہیں۔''

''ہمارے لیے کیا حکم ہے؟''

''کیا تم میرے ساتھ ان چراگاہوں کی طرف چلو گے جہاں تمہارے جانوروں کو پیٹ بھر کر کھانے کو مل سکے۔ جہاں کا موسم خوش گوار ہے۔ جہاں برف دیر میں پگھلتی ہے جہاں ترچھی آنکھوں والی عورتیں تمہارا انتظار کررہی ہیں؟''

''ہم سب اپنے سردار کے ساتھ مل کر لڑیں گے اور شمالی گوبی پر قبضہ کرلیں گے۔''

''تو پھر یاکا مغلوں کے شکار کے لیے تیار ہوجاؤ۔ اس کم سن خان کے شکار کے لیے جو بھیڑیا ہے لیکن جس کے ابھی دانت نہیں نکلے ہیں اور جس کا نام چنگیز خان ہے۔''

یہ جنگ کیا تھی، لوٹ مار کا ایک طریقہ تھا جو ان خانہ بدوشوں میں رائج تھا۔ گروہ در گروہ سوار، شمالی گوبی کی سرزمین کی طرف دوڑ پڑے اور آن کی آن میں خیموں کے سروں پر پہنچ گئے۔

یہ حملہ بے خبری کے عالم میں ہوا تھا۔ خبر ہوتی بھی تو مقابلہ کرنے والا کون تھا۔ ترغا تائی کے جنگجو لوٹ مار میں مشغول ہوگئے اور خود ترغا تائی نے اس خیمے کا رخ کیا جس پر نوموں والا پرچم لہرا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سردار کا خیمہ یہی ہے۔ چنگیز خان کے لیے لڑنے والا کوئی نہیں تھا۔ بستی کے جنگجو

پہلے ہی پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے تھے۔ چنگیز خان نے بھی فرار میں پناہ ڈھونڈی۔ اس کے سوتیلے بھائی قسار نے کمان کھینچ کر تیر برسانے شروع کردیے۔ ان تیروں کی آڑ لے کر چنگیز خان بھاگ نکلا۔ آگے جا کر قسار بھی اس سے مل گیا۔

اب شکار شروع ہو چکا تھا۔ ترغائی کو اس کی ماں، بہن یا کسی اور سے غرض نہیں تھی۔ اسے تو چنگیز خان چاہیے تھا۔ تائجوت شکاری کتوں کی طرح اس کے پیچھے لگ گئے۔

چنگیز اور قسار سرپٹ گھوڑا دوڑاتے چلے جارہے تھے۔ ترغائی کے آدمی اس کے تعاقب میں تھے لیکن اس جیسا شہسوار ترغائی خان کو کب میسر تھا۔ اب تو صرف اس امید پر تعاقب کررہے تھے کہ کبھی نہ کبھی اس کا گھوڑا تھک کر بیٹھ جائے گا اور وہ اسے پکڑ لیں گے۔

چنگیز خان اور اس کا بھائی برابر اس تاک میں تھے کہ گھاٹیوں کا راستہ پکڑیں یا تناور درختوں کی آڑ لے کر کسی جگہ چھپ جائیں۔ انہیں خود یہ احساس تھا کہ ان کے گھوڑے آخر کب تک دوڑتے رہیں گے۔

شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ تعاقب کرنے والے بہت قریب آگئے تھے۔ گھبراہٹ میں کوئی اشارہ کیے بغیر قسار ایک طرف مڑ گیا۔ جبکہ چنگیز خان سیدھا دوڑتا گیا اور جتنی دیر میں اسے یہ احساس ہوتا کہ قسار کسی طرف مڑ گیا ہے، دشمن سر پر آ گیا تھا۔ سامنے پہاڑ تھا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا اس پر چڑھ گیا۔ تائجوت یہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ وہ پہاڑ پر چڑھا ہوگا۔

اس کے دشمنوں میں سے کسی نے اسے پہاڑ پر چڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا لہٰذا انہوں نے پہاڑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا کہ وہ کبھی تو نیچے اترے گا۔ بھوکا پیاسا کب تک بیٹھا رہے گا۔ یہی ہوا بھی۔ وہ کئی دن چھپا رہا لیکن پھر بھوک سے نڈھال ہوگیا۔ اب اس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا کہ وہ تائجوت کے حصار کو توڑتا ہوا نکل جائے۔ اس نے اپنی گھوڑی کو ایڑ لگائی جو بھوک سے نڈھال ہو چکی تھی۔ وہ پہاڑ سے تو اتر آیا لیکن اس کی گھوڑی زیادہ تیز نہ دوڑ سکی۔ دشمنوں کے تازہ دم گھوڑوں نے اسے جالیا۔ عقاب، کبوتروں کے چنگل میں پھنس گیا۔ اسے ترغائی کے روبرو پیش کیا گیا۔ ترغائی کے حکم کے مطابق اسے ایک ہتھکڑی پہنادی گئی جو شانوں اور کلائیوں کو جکڑ لیتی تھی۔ ترغائی کا دشمن زندہ گرفتار ہوگیا تھا۔ اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی تھی۔

وحشی تائجوت اپنے گلوں سے عجیب عجیب آوازیں نکالتے، ڈھول اور تاشے پیٹتے ہوئے اسے گھوڑے کی پیٹھ پر لاد کر اپنی چراگاہوں کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ بے بسی کی تصویر بنا اوندھے منہ گھوڑے کی پیٹھ پر پڑا ہوا تھا۔ کون جانے اس وقت وہ کیا سوچ رہا تھا۔ اس کا بھائی قسار اس سے بچھڑ گیا تھا۔ ماں، بہن اور چھوٹا بھائی کیا خبر کس حال میں تھے۔ سرداری چھن گئی تھی۔ موت سامنے تھی۔

راستے میں ایک ندی پڑی، پھر ایک جنگل آیا۔ قافلے والوں نے طے کیا کہ کچھ دن وہ اس جنگل میں قیام کریں گے تاکہ گھوڑے اور لوٹے ہوئے مویشی تازہ دم ہوجائیں۔ ندی کا پانی بھی قریب تھا اور جانوروں کے چرنے کے لیے جنگل بھی قریب تھا۔ جنگل میں خیمے لگ گئے۔ اسے بھی ہتھکڑی سمیت ایک خیمے میں اتار دیا اور ایک محافظ بٹھادیا۔

اس کے شانے اور کلائیاں ہتھکڑی کی قید میں تھے۔ آہنی ہتھکڑی اسے شدید اذیت میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔ منزل پر پہنچنے کے بعد اسے اس ہتھکڑی یا زندگی سے نجات مل سکتی تھی لیکن منزل سے پہلے یہ عارضی وقفہ آ گیا تھا۔ تقدیر کا فیصلہ ہونے میں ابھی اور نہ جانے کتنے دن تھے۔ خیمے کے باہر خانہ بدوش رقص وسرور کی محفل جمائے ہوئے تھے اور وہ ان خوش ہونے والوں کی آوازیں بے بسی سے سن رہا تھا۔

دو دن اور دو راتیں اسی عالم میں گزر گئیں۔ وہ تکلیف سے نڈھال ہو چکا تھا۔ تیسری رات جب خیمے سے باہر مکمل خاموشی تھی اس نے کسی کام کے لیے اپنے محافظ کو آواز دی۔ اسی وقت اس پر یہ انکشاف ہوا کہ اس کا محافظ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے سو گیا ہے۔ اس نے اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی ہتھکڑی کے ایک سرے کو پوری قوت سے محافظ کے سر پر دے مارا۔ محافظ ایک ہی ضرب میں بے ہوش ہوگیا۔ وہ خیمے سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا باہر اندھیرا ہے چاند کی چاندنی جنگل کے پیڑوں سے چھن چھن کر کچھ روشنی فراہم کررہی ہے۔ سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔ وہ خیمہ گاہ سے نکلا اور جھاڑیوں کو دیوار بنا کر چلتا رہا۔ وہ اس ندی کی طرف جارہا تھا جو اس نے جنگل میں آتے وقت دیکھی تھی۔ ابھی وہ ندی کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اس نے شور کی آواز سنی۔ غالباً محافظ کو ہوش آ گیا تھا اور اس نے سب کو خبر کردی تھی۔ خانہ بدوش تائجوت اس کے تعاقب میں تھے۔ اس نے ندی میں چھلانگ ماری اور کنارے پر اگی ہوئی گھاس میں اس طرح چھپ گیا کہ اس کا جسم پانی میں اور سر پانی سے اوپر تھا۔ وہ اپنے تعاقب میں آنے والوں کی باتیں سن رہا تھا۔

''اگر زیادہ دیر ہوگئی ہے تو وہ ندی پار کرگیا ہوگا۔''

''زیادہ دیر نہیں گزری۔ ابھی وہ جنگل میں ہی ہوگا۔''

''ہم جنگل ہی کی طرف سے آ رہے ہیں۔''

''میں نے خود اسے ندی کی طرف آتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ یہیں کہیں چھپا بیٹھا ہوگا۔''

''آؤ کنارے کنارے اسے ڈھونڈتے ہیں۔''

وہ سب ادھر ادھر بکھر گئے۔ اور مشعلوں کی روشنی میں اسے ڈھونڈنے لگے۔ اب اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس کا پکڑا جانا یقینی ہے۔ کوئی نہ کوئی سوار اسے ضرور تلاش کر لے گا۔ وہ سانس روکے بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک جنگجو نے اسے دیکھ لیا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں مگر وہ اسے پکڑوائے بغیر آگے بڑھ گیا اور زور سے آواز لگائی ''یہاں کوئی نہیں ہے۔ شاید وہ ندی پار کر گیا۔''

تمام سوار نہایت مایوسی کے عالم میں خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہونے لگے۔ تیرہ سالہ چنگیز خان کی ذہانت نے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ جب اس جنگجو نے مجھے دیکھ لیا تھا تو پکڑوایا کیوں نہیں۔ اس میں کیا راز ہے۔ پھر اس نے اپنی خاندانی شجاعت کو آواز دی اور ندی سے نکل کر ان سواروں کے پیچھے پیچھے دوبارہ خیمہ گاہ کی طرف چل دیا۔ وہ اس شخص کے خیمے تک پہنچنا چاہتا تھا۔ سوار اسے دیکھ کر جا چکے تھے۔ وہ آرام سے ندی پار کر سکتا تھا لیکن اس کا تجسس اسے خیمہ گاہ کی طرف لے جا رہا تھا۔ وہ رینگتا ہوا اس اجنبی جنگجو کے خیمے تک پہنچ گیا۔

اس جنگجو نے خیمے میں پہنچ کر ابھی ہتھیار بھی نہیں کھولے تھے کہ اپنے سامنے ایک لڑکے کو پانی میں بھیگا ہوا دیکھا۔ اسے یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ یہ وہی نوجوان ہے جس کی تلاش کی جا رہی ہے۔ بھاری جھگڑی اس کے گلے میں لٹکی ہوئی تھی۔

''بے وقوف لڑکے، تم مجھے مصیبت میں ڈالنے کے لیے یہاں کیوں چلے آئے؟''

''یہ جاننے کے لیے کہ تم نے مجھے دیکھ لیا تھا تو پھر چھوڑ کیوں دیا۔''

''بس یہ جاننے کے لیے تم دوبارہ یہاں آ گئے؟''

''تم مجھ پر رحم کھا سکتے ہو تو مجھے اس مصیبت سے نجات بھی دلا سکتے ہو۔'' اس نے اپنی جھگڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس اجنبی نے اس کی جھگڑی یہ سوچ کر کاٹنی شروع کر دی کہ اس کے بعد وہ کسی طرف نکل جائے گا۔ درمیان میں وہ اپنے بارے میں بھی بتاتا رہا۔ اس نے بتایا کہ وہ کسی دوسرے قبیلے کا ہے اور اتفاق سے ان لوگوں کے ساتھ ٹھہر گیا ہے۔

''ظاہر ہے، میری تم سے کوئی دشمنی نہیں لہٰذا میں تمہاری گرفتاری میں کیوں دلچسپی لیتا۔''

اس دوران خیموں کے باہر شور سنائی دیا۔ تائجون سپاہیوں کو شک ہوگیا تھا کہ ان کا قیدی یہیں کہیں چھپا ہوا ہے۔ وہ اک اک خیمے میں اسے ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ اس کے محسن نے اسے ایک گاڑی میں چھپا دیا جس پر اون لدا ہوا تھا۔ وہ سانس روکے اون کے اندر چھپا ہوا تھا۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ کہیں پکڑا نہ جائے اور خوف بھی کہ کہیں اون کی گرمی سے مر ہی نہ جائے۔ کوئی نوک دار چیز اس کی پنڈلی میں آ کر لگی۔ یہ کسی سپاہی کا نیزہ تھا۔ تکلیف سے اس کی جان نکل گئی لیکن وہ چیخ نہیں سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اون پر نیزے ڈال ڈال کر اسے تلاش کیا جا رہا ہے۔ اس وقت خاموش رہنے ہی میں عافیت ہے۔

جب وہ لوگ مایوس ہو کر لوٹ گئے اور ہر طرف خاموشی چھا گئی تو اس کے محسن نے اسے باہر نکالا۔ ''اگر تو پکڑا جاتا تو میرے گھر کی آگ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی۔ تو نے یہاں آ کر اچھا نہیں کیا۔''

''مہربان محسن! تجھے تکلیف تو ہوئی مگر میری زندگی بچ گئی۔ میں موقع دیکھتے ہی یہاں سے نکل جاؤں گا۔''

''اب اور کون سا موقع آئے گا۔ وہ لوگ تیری طرف سے مایوس ہو گئے ہیں۔ سب بے خبر سو رہے ہیں تو اسی وقت نکل جا۔''

اس اجنبی نے اسے اپنا گھوڑا دیا۔ ایک کمان اور دو تیر اس کے حوالے کیے اور کچھ کھانا اور دودھ بھی اسے دے دیا۔ وہ اندھیرے میں اندھیرا بن کر جنگل کی حدود سے باہر نکل گیا۔

وہ تیزی کے ساتھ اپنی زمینوں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ قسار کس حال میں ہوگا۔ بہن اور ماں کس حال میں ہوں گی۔ وہ یہی سوچتا ہوا اپنی سرزمین تک پہنچ گیا۔ سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ جہاں اس کی خیمہ گاہ تھی، وہاں اب صرف راکھ تھی۔ اس کے مویشیوں کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ظاہر ہے سب لوٹ مار کی نذر ہو چکے تھے۔ اس کی محکوم آبادی مختلف قبیلوں میں بکھر گئی تھی۔ اسے ان سب کو بھی سمیٹنا تھا اور اپنے روپوش خاندان کو بھی تلاش کرنا تھا۔ اب اسے اس وقت تک کھلے آسمان تلے رہنا تھا جب تک وہ اپنے قبیلے کو اپنے ساتھ نہ ملا لے اور وہ اسے سردار نہ مان لیں۔

اس نے اپنے بھائی اور ماں کو تلاش کرنا شروع کیا بالآخر وہ اسے ایک ہمدرد کے خیمہ گاہ میں مل گئے۔ اس کا بھائی قسار بھی یہیں تھا۔ ان کے پاس صرف آٹھ گھوڑوں کی قطار تھی اور یہ لوگ گلہریوں اور مچھلیوں جیسے شکار پر گزارہ کر رہے تھے۔ وہ

اپنے قبیلے کی بکھری ہوئی آبادیوں میں گیا اور اس نے اپنا حق سرداری جتاتے ہوئے چار جانور بطور خراج مانگے۔ ایک اونٹ، ایک بیل، ایک گھوڑا اور ایک بھیڑ۔ یہ مطالبہ ایسا ناجائز نہیں تھا۔ اسے یہ خراج مل گیا۔ اب اسے آئندہ زندگی کے لیے کوئی راہ تلاش کرنی تھی۔ خانہ بدوش زندگی میں لوگ اس کے ساتھ ہوتے ہیں جس کے پاس طاقت ہوتی ہے اور وہ اس وقت کمزوروں سے بھی زیادہ کمزور تھا۔ اس کے پاس تو اپنا خیمہ بھی نہیں تھا۔ اس کے عزائم بلند تھے لیکن مجبوریوں نے اسے قید کر دیا تھا۔ وہ خاموش تو پہلے بھی رہتا تھا لیکن اب کسی گہری میں سوچ میں ڈوبا رہنا اس کا مشغلہ بن گیا تھا۔ اس نے شکار پر جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اس کے ایک بھائی ملکوتی نے یہ ذمے داری اپنے سر لے لی تھی۔ وہ اس کی سرخ گھوڑی پر ادھر ادھر گھومتا پھرتا تھا۔

چنگیز خان اس مشکل سے نکلنے کے لیے کسی راستے کی تلاش میں تھا۔ وہ گھنٹوں بیٹھ کر سوچتا تھا کہ اب کیا کرے۔ اسے ان اداسی کے لمحوں میں اپنی منگیتر بورتائی کی یاد آتی تھی لیکن اب وہ اس کے پاس کس منہ سے جاتا۔ وہ بھی بڑے خان کا بیٹا تھا۔ اس کا جانشین تھا۔ اور اب؟ یہ سوچتے سوچتے اس کی آنکھیں بھر آتی تھیں۔ ان کڑے وقتوں میں اکثر اسے یہ خیال آتا کہ وہ بورتائی کے باپ سے مدد لے۔ وہ ایک بڑے طاقت ور قبیلے کا سردار اور کئی نیزہ برداروں کا آقا ہے۔ وہ اس کے دشمنوں سے بدلہ لینے کا پوری طرح اہل ہے۔ یہ خیال آتا ضرور تھا لیکن اس کی غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ اپنی سسرال والوں کی مدد لے۔ کئی مرتبہ اس کی تنہائی میں طغرل خان کا نام بھی گونجا جو نہایت ذی اثر تھا اور چنگیز کے باپ کے ساتھ رفاقت کی قسم کھا کر جام پیا تھا۔ اس اعتبار سے وہ طغرل خان کا بیٹا تھا اور اس سے مدد مانگنے کا حق رکھتا تھا۔ لیکن وہ اس پر بھی تیار نہیں ہوا۔ وہ اپنا حق اپنے زور بازو سے حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دی ''خالی ہاتھ جانے سے حقارت کے سوا کیا ملے گا۔'' وہ اس ارادے پر ڈٹا ہوا تھا۔

وہ ان خیالوں میں گم خیمے میں بیٹھا تھا کہ اس کے بھائی نے یہ بری خبر سنائی کہ ان کے آٹھوں گھوڑے چوری ہو گئے ہیں۔ اس کا ذہن بے اختیار تائجون قبیلے کی طرف گیا۔ جب سے وہ ان کی قید سے فرار ہوا تھا، یہ لوگ اسے ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ اس کا مطلب ہے وہ یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔

''لٹیرا جو کوئی بھی تھا، ابھی زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ میں اس کا تعاقب کروں گا۔'' ملکوتی نے کہا۔

''تو ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکے گا۔ ان کے تعاقب میں، میں جاؤں گا۔'' قسار نے کہا۔

''تم دونوں انہیں نہ پا سکوں گے۔ ان کا تعاقب میں کروں گا۔''

وہ اپنی پرانی ساتھی، تھکی ہوئی سرخ گھوڑی پر سوار ہوا اور قدموں کے نشان پر چلتا رہا۔ سوکھا ہوا گوشت اس کے ساتھ تھا جس سے وہ اپنی بھوک مٹا سکتا تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ اس کی گھوڑی بہت تھک چکی تھی۔ اسے بار بار رکنا پڑتا تھا اور لٹیرے اس کی آنکھوں سے دور ہوتے جا رہے تھے۔

اسے گھوڑی کی پیٹھ پر سوار ہوئے تین دن ہو گئے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر قدموں کے نشان بھی معدوم ہو گئے تو وہ پریشان ہو گیا۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اسے اپنا ایک ہم عمر ایک پگڈنڈی پر بیٹھا نظر آیا جو گھوڑی کا دودھ نکال رہا تھا۔ چنگیز خان نے اپنی گھوڑی کی لگام کھینچ لیں۔

''تو نے کچھ لوگوں کو آٹھ گھوڑے بھگا کر لے جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟''

''ہاں کچھ لوگ ادھر سے گزرے تو تھے۔''

''وہ لوگ میرے گھوڑے بھگا کر لے گئے ہیں۔ میں ان کے تعاقب میں نکلا ہوں۔''

''اچھا! وہ چور تھے؟ میں نے انہیں اسی وقت کیوں نہیں پکڑ لیا۔ تو فکر مت کر میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔ تو اکیلا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''تو میری فکر مت کر۔ بس مجھے راستہ بتا دے۔''

''دوست! کیوں غیروں والی بات کرتے ہو۔ میرا نام بغورچی ہے۔ آج سے تم مجھے دوست سمجھو۔''

تھکی ہوئی سرخ گھوڑی چرنے کے لیے چھوڑ دی گئی۔ بغورچی نے اپنے ایک سفید گھوڑے پر زین ڈال کر چنگیز کے حوالے کر دیا۔ بغورچی نے ایک دوسرے گھوڑے کا انتخاب اپنے لیے کیا اور وہ دونوں تعاقب میں چل دیے۔ جلد ہی انہیں تائجون کی چراگاہیں نظر آنے لگیں۔ قریب گئے تو وہ آٹھوں گھوڑے چرتے ہوئے نظر آئے۔ ان دونوں نے کمندیں ڈالیں اور گھوڑوں کو ہنکا کر چل دیے۔ یہ کام انہوں نے ایسی جرأت سے کیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی لیکن کچھ دور چلنے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ کچھ سوار ان کے تعاقب میں ہیں۔ وہ جب تک بھاگ سکتے تھے بھاگے لیکن جب سوار قریب آ گئے تو بغورچی نے اپنا تیر کمان سنبھال لیا۔ چنگیز خان گھوڑوں کو دوڑاتا رہا اور بغورچی تیر برساتا رہا۔ بالآخر تعاقب کرنے والوں کو واپس لوٹنا پڑا۔ دونوں نوجوان سفر کرتے

رہے اور تمام گھوڑے بہ حفاظت بغور چی کے باپ کی خیمہ گاہ تک پہنچ گئے۔

بغور چی نے اسے دودھ اور کھانا زادِ سفر کے طور پر دیا۔ وہ اپنی سرخ گھوڑی پر سوار ہوا اور آٹھوں گھوڑوں کو ساتھ لے کر گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

ترانجون کی چراگاہوں سے آٹھ گھوڑوں کو ہنکا کر لے آنا کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا۔ اس کی اس بہادری کا چرچا شمالی صحرا کے ایک ایک خیمے میں ہونے لگا۔ اس کے قبیلے کے لوگ جو ادھر ادھر بکھر گئے تھے لوٹ کر اس کے پاس آنے لگے۔ انہیں یقین ہوگیا تھا کہ جو گھوڑے ہنکا کر لاسکتا ہے، وہ ان کی حفاظت بھی کرسکتا ہے۔ لق ودق صحرا میں جہاں بہت سے قبائل اپنی اپنی طاقت میں اضافے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ قدم قدم پر سفاکی کے مظاہرے ہوتے تھے۔ اپنے سوا ہر آدمی دشمن ہوتا تھا۔ ہر قبیلے کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ کوئی طاقت ور سردار ان کی جان اور ان کے مال کی حفاظت کرے۔ کسی سردار کو سرداری کا حق صرف اسی وقت تک ہوتا تھا جب تک وہ حفاظت کی طاقت رکھتا ہو۔ اس کی طرف سے کمزوری کا اظہار ہوتے ہی، اس کی رعایا منہ پھیر کر چل دیتی تھی۔

چنگیز خان کو اتنے دن کی ٹھوکروں کے بعد سنبھل کر چلنا آ گیا تھا۔ سفاکی اور چالاکی کو اس نے اپنا ہتھیار بنالیا تھا۔ اپنے ماتحت ساتھیوں کی چراگاہوں کی حفاظت کا ہنر سیکھ لیا تھا۔ وہ جسمانی قوت اور شجاعت کا بے مثال نمونہ بن کر ابھر رہا تھا۔ حالات کا تقاضا تھا کہ ذرا سی رعایت کمزوری سمجھی جائے۔ اس نے بھرپور سفاکی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے دشمن بار بار زرخیز زمینوں پر دھاوا بول رہے تھے۔ یہ تو ہوا کہ وہ پہاڑوں کی طرف نکل گیا مگر کوئی اسے گرفتار نہ کرسکا۔ رفتہ رفتہ وہ ناقابلِ تسخیر بنتا جارہا تھا۔

اس کی عمر اب سترہ سال ہوگئی تھی۔ وہ بھرپور جوان تھا۔ تجربوں نے اسے لوہڑی کی طرح چالاک بنادیا تھا۔ ایک شعلہ تھا جو صحرائے گوبی میں بھڑک رہا تھا۔ اس کی یہ بڑی کامیابی تھی کہ دیگر قبائل اسے اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگے تھے۔ اس کا اب ایک ہی مقصد تھا کہ وہ اپنی میراث کا مالک بن کے رہے گا۔

بورتائی کی یاد ایک لمحے کو بھی اس کے دل سے نہیں نکل سکی تھی۔ اسے اپنے عہد کا پاس تھا۔ وہ چار سال پہلے اس سے یہ کہہ کر بچھڑا تھا کہ وہ اسے اپنی دلہن بنا کر لے جائے گا لیکن چار سال تک وہ حالات کی موجوں کے تھپیڑے کھاتا رہا۔ اب وہ بڑا خان نہ سہی، اپنے قبیلے کا خان ضرور تھا۔ اس نے سوچا اب بورتائی سے اس کی شادی ہوجانی چاہیے۔

وہ جب بورتائی کے باپ کے خیموں والے گاؤں میں پہنچا تو اس کے استقبال کے لیے کئی سو نوجوان سوار نمودار ہوئے۔ پوری طرح مسلح، بھیڑ کی کھالوں کے لبادوں میں ملبوس، چمڑے کی شلوکے پہنے، سینوں پر بھیانک نقش ونگار والے چرمی سینہ پوش۔ تقریب استقبال بھی کسی جنگ کا منظر پیش کررہی تھی۔

''جب میں نے سنا کہ تجھ سے لوگوں کی کتنی سخت دشمنی ہے تو مجھے یہ امید نہیں رہی تھی کہ میں تجھے زندہ دیکھوں گا۔'' بورتائی کے باپ نے کہا۔

یہ تبصرہ اندیشوں کا اظہار بھی تھا اور اس کی بے پناہ تعریف بھی۔ اس کی جواں مردی کا قصیدہ بھی کہ وہ اپنے تمام دشمنوں کو زیر کرکے زندہ سلامت اپنی دلہن کو لینے آ گیا تھا۔

کچھ دن قیام کرنے کے بعد شادی کی تقریب کا دن آ گیا۔ بورتائی کو دلہن بنا کر سردار کے خیمے میں لایا گیا۔ وہ سمور کا لمبا سا لبادہ پہنے تھی۔ بالوں میں سکوں اور موتیوں سمیت جو کچھ مل سکا تھا لگادیا گیا تھا۔ سر پر صنوبر کی چھال کی مخروطی سی کلاہ تھی جس پر قیمتی ریشم منڈھا ہوا تھا۔

کچھ قبائلی رسموں کے بعد وہ وقت آ گیا جب اسے مختلف خیموں میں چھپنا تھا اور چنگیز خان اسے ڈھونڈ کر اپنے گھوڑے پر بٹھا کر رخصت ہوجائے۔

اس تقریب کا آغاز ہوا۔ بورتائی ایک خیمے میں چلی گئی۔ پھر ایک سے دوسرے خیمے میں پھرتی پھری۔ چنگیز خان اس کے تعاقب میں بھاگتا پھر رہا تھا اور بالآخر ایک خیمے میں اس نے بورتائی کو جالیا۔ زبردستی اٹھا کر گھوڑے پر ڈالا اور گھوڑے کو ایڑ لگادی۔ اس کے پیچھے پیچھے بورتائی کے نوکر تحائف لے کر روانہ ہوئے جو چنگیز کی ماں کو پیش کرنے تھے۔

اب بورتائی اس کی بیوی تھی۔ یورت کی نگرانی اس کا منصب تھا۔ اس کا کام تھا کہ ضرورت پڑے تو جانوروں کا دودھ نکالے۔ جب مرد لڑنے کے لیے چلے جائیں تو رپوڑوں کی دیکھ بھال کرے۔ کپڑے بنے اور مردوں کے لیے چپلیں اور موزے تیار کرے۔

وہ اب تک اپنے باپ کے منہ بولے بھائی طغرل خان سے ملنے نہیں گیا تھا۔ مشکل کے دن خود ہی کاٹ لیے تھے۔ مدد کا لفظ تک زبان پر نہیں آیا تھا۔ اب وہ اس قابل ہوگیا تھا کہ سرخروئی کے ساتھ اس کے دربار میں جاسکتا تھا۔ طغرل خان قرایت قبیلے کا سردار تھا۔ یہ قبیلہ نہایت جنگجو، طاقت ور

اور ذی اثر تھا۔ چنگیز خان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ طغرل خان کا منہ بولا بیٹا تھا۔

وہ طغرل خان سے ملا اور سمور کا لبادہ اسے تحفے کے طور پر پیش کیا۔ طغرل خان نے اس کا والہانہ استقبال کیا اور کئی دن مہمان رکھ کر اس کی خاطر داری کی۔

طغرل خان امید کر رہا تھا کہ وہ اس سے کسی قسم کی مدد کی درخواست کرے گا لیکن چنگیز خان کی خودداری نے ایک لفظ بھی ادا نہ ہونے دیا۔ اسے کئی دشمنوں کا سامنا تھا۔ وہ ان کے دفاع کے لیے قرایت کی مضبوط کمک طلب کر سکتا تھا لیکن وہ چپ ہی رہا یہاں تک کہ اس کی رخصتی کا دن آ گیا۔ مجبور ہو کر طغرل خان کو خود اسے یاد دلانا پڑا۔

''اگر تمہیں یاد نہ ہو تو میں تمہیں یاد دلا دوں کہ ہمارے درمیان ایک دوسرے کی مدد کا پیمان ہے۔''

''کبھی ضرورت پڑی تو میں آپ کو ضرور یاد کروں گا۔'' چنگیز خان نے کہا اور واپسی کے لیے چل پڑا۔

وہ ابھی اپنے خیموں والے گاؤں میں پہنچا ہی تھا کہ خلاف توقع شمالی میدانوں سے ایک طاقت ور قبیلہ اس پر حملہ آور ہو گیا۔ یہ لوگ مکریت کہلاتے تھے۔ کھرے وحشی اور کڑے جنگجو تھے اور اس جنگجو کے رشتے دار تھے جس کے پاس سے اٹھارہ سال پہلے چنگیز خان کا باپ اولون (چنگیز خان کی ماں) کو اٹھا کر لے آیا تھا۔ یہ لوگ اس پرانی دشمنی کو بھولے نہیں تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ چنگیز شادی کر کے نئی دلہن گھر لایا ہے تو ان کے زخم تازہ ہو گئے۔

چنگیز اپنے یورت میں سو رہا تھا کہ شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ کوئی حملہ ہوا ہے۔ اس نے بورتائی سے کہا اور یورت کا پردہ اٹھا کر باہر نکل آیا۔ ہر طرف آگ نظر آ رہی تھی۔ کوئی لشکر بھڑکتی ہوئی مشعلیں پھینکتا ہوا خیموں کے جنگل میں داخل ہو گیا تھا۔ اب اتنا وقت نہیں تھا کہ مقابلہ کیا جاتا۔ وہ اندر آیا کہ بورتائی کو ساتھ لے کر نکل جائے لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ شاید وہ کسی دوسرے خیمے میں چلی گئی ہو۔ حملہ آوروں کو میری تلاش ہو گی، اس کی نہیں اس نے سوچا اور گھوڑے پر سوار ہو کر تیر برساتا ہوا دشمن کے نرغے سے نکل گیا۔

بورتائی نے دیکھا کہ چنگیز باہر نکل رہا ہے تو وہ اس کے پیچھے بھاگی اور پکڑی گئی۔ جس گھر کا ایک فرد کبھی اولون کو لے کر بھاگا تھا، اسی گھر کی لڑکی اب قبضے میں تھی۔ برسوں کا بدلہ پورا ہو گیا۔ ان لوگوں نے بورتائی کو گھوڑے پر ڈالا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ بورتائی کو اس شخص کے حوالے کر دیا گیا جو کبھی اولون کا شوہر بننے والا تھا اور یسوکائی اس کی ہونے والی بیوی (اولون) کو اٹھا کر لے آیا تھا۔

چنگیز کے پاس اتنے آدمی نہیں تھے کہ وہ ان وحشیوں کا مقابلہ کرتا۔ وہ کئی دن تک دشمنوں سے چھپ کر پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں سوتا جاگتا رہا۔ پھر اسے طغرل خان یاد آ گیا۔ اس کا گھوڑا کئی دن ہو گئے تھے کسی لمبے سفر پر نہیں گیا تھا۔ چنگیز نے کچھ دیر اس بے زبان کے کان میں سرگوشی کی اور پھر آندھی طوفان کی طرح قرایت کی طرف روانہ ہو گیا۔ طغرل خان اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ وہ کسی مشکل میں ہے۔ اکیلا آیا ہے اور بہت گھبرایا ہوا ہے۔

''مکریت کے وحشی مجھ پر حملہ آور ہوئے اور بورتائی کو اٹھا کر لے گئے۔ اس کی بہو کو اٹھا کر لے گئے جسے آپ نے اپنا بھائی کہا تھا۔''

''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ میرے اور تمہارے درمیان مدد کا پیمان ہے۔ کہو کیا چاہتے ہو؟''

''میری درخواست ہے کہ اپنے جنگجو آپ میرے ساتھ کر دیں۔ مغل اور قرایت مل کر ہی ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔''

یہ درخواست فوراً منظور کر لی گئی۔

صحرا میں چودھویں کا چاند کسی بڑی قندیل کی طرح روشن تھا۔ چاند کی کرنوں میں ہتھیار، مشعلوں کی طرح چمک رہے تھے۔ تازہ دم گھوڑے ہوا سے باتیں کر رہے تھے۔ تیز ہوا میں پرچم، عقابوں کی طرح اڑ رہے تھے۔ چنگیز خان نے اپنے مغل لشکر کو ان کے ساتھ ملایا اور مکریت خونخواروں کی خیمہ گاہوں میں گھس پڑے۔ ادھر کے جگنجو جتنی دیر میں تیار ہوئے، خیموں نے آگ پکڑ لی۔ گلے دوڑ پڑے۔ چیخوں کا شور، صحرا سے دور کھڑے پہاڑوں سے ٹکرا رہا تھا۔

چنگیز، درہم برہم خیموں کے بیچ گھوڑا دوڑاتا پھر رہا تھا۔ بورتائی، بورتائی۔ وہ آوازیں دیتا پھر رہا تھا۔ تیر اس کی اردگرد آ کر گر رہے تھے اور وہ آوازیں دیتا پھر رہا تھا۔

''خان، میں یہاں ہوں۔'' بورتائی کی آواز آئی۔ وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کی طرف گیا اور چلتے گھوڑے سے ہاتھ بڑھا کر بورتائی کو اوپر اٹھا لیا۔

''مجھے جس کی تلاش تھی، وہ مل گئی۔ مجھے جس کی تلاش تھی، وہ مل گئی۔'' وہ دیوانوں کی طرح چیختا پھر رہا تھا۔ اس کے رفیقوں نے جب اطمینان کر لیا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے تو دشمن کے جانور ہنکاتے ہوئے وہاں سے نکل آئے۔

چنگیز خان اپنی یورت میں بیٹھا تھا۔ بورتائی اس کے قدموں میں دوزانو جھکی ہوئی بڑی دیر سے رو رہی تھی۔ اس کا

نازک بدن سسکیوں کے بوجھ سے تھرتھرا رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ خان نے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے ہیں۔ پھر اس کی بھاری آواز گونجی۔

''اس میں تیرا کیا قصور۔ کمزوری تو میری ہے۔ وہ میرے یورت سے تجھے لے گئے اور میں تیرا پیچھا نہ کرسکا۔ لیکن یہ بھی تو دیکھ یہ میری محبت ہی تو تھی کہ میں تجھے ان کے چنگل سے چھڑا کر لے آیا۔''

''مجھے تو یہ دکھ ہے کہ ایسا وقت آیا ہی کیوں۔''

''میں نے کہا نا کہ میری کمزوری کی وجہ سے۔'' اس نے بلند آواز میں کہا ''اب میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو مجھے کمزور نہیں پائے گی۔ میں دیوتاؤں کا قہر بن کر دشمن پر ٹوٹ پڑوں گا۔ میرے دشمن میرے نام سے کانپا کریں گے۔ کوئی حسین عورت ایسی نہیں ہوگی جسے میں اٹھا کر نہ لے آؤں۔''

اس نے بورتائی کو اپنے قدموں سے اٹھایا اور اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ اپنی کھردری ہتھیلیوں سے اس کے آنسو پونچھے بورتائی جب تک ہنسنے کے قابل نہیں ہوگئی، وہ اس کے پاس سے اٹھ کر نہیں گیا۔

دشمنوں کے اس کارزار میں امن کی نوبت بجنے کا وقت کبھی نہ آیا۔ دیوار چین کے اس طرف جتنے قبائل آباد تھے، ان میں سب سے کمزور مغل ہی تھے مگر سب سے اچھی چراگاہیں بھی انہی کے پاس تھیں لہٰذا ہمیشہ یورشوں میں گھرے رہتے تھے۔ چنگیز خان جب سے طغرل خان کی سرپرستی میں آیا تھا، مغرب کی طرف سے آنے والے دشمنوں سے تو محفوظ ہوگیا تھا لیکن مشرق کے قبائل، خاص طور پر تاتجوت بار بار اسے پریشان کرتے رہتے تھے۔ ان حملوں سے وہ کبھی اپنے قبیلے کو نہ بچا سکتا اگر بے پناہ جسمانی طاقت اور وقت سے پہلے خطرے کا احساس ہوجانے کی صفت اس کے پاس نہ ہوتی۔ وہ جانوروں کی طرح سونگھنے کی ایسی زبردست قوت رکھتا تھا کہ میلوں دور سے دشمن کی بو محسوس کرلیتا تھا۔ اس قوت سے کام لے کر اس نے ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی اور اپنے قبیلے والوں کی جان بچائی تھی۔

ایک مرتبہ وہ ایک خان کی دعوت پر اس کے گھر گیا جسے وہ اپنا دوست سمجھتا تھا۔ اس کی چھٹی حس نے اسے احساس دلایا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ پتا چلا کہ جس قالین پر انہیں بیٹھنا تھا اس کے نیچے خندق کھدی ہوئی ہے۔ اس نے اس قالین پر بروقت نہ بیٹھنے کا فیصلہ کر کے اپنے قبیلے کی جان بچالی۔ اس طرح کے جب کئی واقعات ہوئے تو مغل اسے دیوتا سمجھنے لگے جو آسمان سے ان کی مدد کے لیے زمین پر اترا ہے۔ اعتماد بحال ہوتے ہی جنگجو اس کے گرد جمع ہونے لگے۔

بورتائی اس کے پہلے بیٹے کی ماں بنی۔ اس بیٹے کا نام اس نے ''جوجی'' رکھا۔ اس کی محبوب بیوی نے اسے اس کا جانشین عطا کیا تھا۔ قبیلے میں ایک اور جنگجو کا اضافہ کیا تھا۔ اس کے یورت میں مبارک باد دینے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا لیکن وہ خود ایک گوشے میں بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ یہ بیٹا اس کا ہے بھی یا نہیں؟ اسے وہ دن یاد آرہے تھے جب مکریت قبیلے کے لوگ بورتائی کو اٹھا کر لے گئے تھے اور وہ چند دن ان کے پاس رہی تھی۔ اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ جوجی کے پیدا ہونے کا جشن بھی منایا لیکن یہ کانٹا اس کے دل سے نکل نہ سکا۔ یہ جذبہ اس کے دل میں انتقام کی آگ بن کر جلنے لگا۔ وہ اب کسی پر رحم نہیں کھائے گا۔ اس کی بہادری میں انتقام اور بے رحمی کے زبردست عنصر داخل ہوگئے۔ اب صرف دشمن سے جنگ جیتنا ہی اس کا مقصد نہیں تھا بلکہ دشمن کی لاشوں پر کھڑے ہوکر نعرہ فتح بلند کرنا بھی اس کا مشن بن گیا۔ اس وحشی معاشرے میں اسے بھی بہادری سمجھا گیا اور اس کی مقبولیت میں اضافہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ 13 ہزار مغل جنگجو اس پر جانیں نثار کرنے کے لیے اس کے گرد جمع ہوگئے۔

اب اس کے پاس اتنے جانور ہوگئے تھے کہ گرمیوں میں جب چراگاہیں جھلس جاتی تھیں، وہ اس علاقے کی چراگاہوں کا رخ کرتا جہاں موسم معتدل ہو۔ یہ عجیب سماں ہوتا تھا۔ خیموں کا شہر بڑے بڑے چھکڑوں پر سوار ہوجاتا تھا۔ ان چھکڑوں کو بیل کھینچتے تھے۔ گھوڑوں پر سوار جنگجو ساتھ ساتھ چلتے تھے۔

ایسے ہی ایک موسم میں وہ اپنے پورے قبیلے کو لے کر سرمائی چراگاہوں کی طرف روانہ ہوا۔ وہ ایک لمبی سی وادی میں پھیلے ہوئے تھے۔ خیموں کو اٹھائے ہوئے چھکڑے، آہستہ رو ریوڑوں کے درمیان کھڑکھڑاتے ہوئے چل رہے تھے۔ اچانک اس نے قافلے کو رکنے کا اشارہ کیا۔ اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا کہ کوئی اس کے تعاقب میں ہے۔ سب کی عقابی نظریں اس طرف اٹھ گئیں جہاں غبار اڑ اڑ کر آسمان کی طرف جارہا تھا۔ پھر دشمن کے نیزے اور گھوڑے نظر آنے لگے۔ کوئی بہت بڑا لشکر تھا جو وادی کو طے کرتا ہوا اس کی طرف بڑھا چلا آرہا تھا۔

اس موقع پر بھاگنے کا مطلب یہ تھا کہ عورتوں اور مویشیوں سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ مقابلہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے تمام آدمیوں کو کٹوا دیتا کیونکہ آنے والے لشکر کی تعداد تیس ہزار سے کم نہیں تھی۔ اس نے مقابلے کا فیصلہ کیا لیکن

حکمتِ عملی کے ساتھ۔ اس نے دستوں کی ایک صف بنائی جس کا ایک پہلو ایک جنگل کی وجہ سے محفوظ تھا۔ دوسرے پہلو پر چھکڑوں کا ایک چوکور حلقہ بنادیا۔ یہ حلقہ اندر سے خالی تھا۔ اس میں اس نے تمام مویشیوں کو ہنکادیا اور چھکڑوں کے اندر عورتوں کو بٹھادیا۔ یہ گویا اس کا قلعہ تھا جو اس نے پلک جھپکتے میں صحرا کے سینے پر تعمیر کردیا۔ اس نوتعمیر قلعے میں نوعمر لڑکوں کو تیر کمان سے مسلح کر کے بٹھادیا۔ اب وہ جنگ کے لیے تیار تھا۔

لشکر قریب آیا تو اس نے دیکھا یہ اس کے پرانے دشمن تائجون تھے جو ترغا تائی کی قیادت میں اس پر حملہ آور ہوئے تھے۔ یہ لشکر پوری طرح آراستہ اور پانچ پانچ سو کے دستوں میں تقسیم تھا۔ پہلی دو قطاریں مسلح تھیں۔ لوہے کی وزنی کانٹے دار جڑی ہوئی زرہیں، لوہے کے خود جن پر گھوڑوں کے بالوں کے طرے لگے ہوئے۔ گھوڑے ساز پوش۔ ان کے سوار چھوٹی گول ڈھالیں اور نیزے لیے ہوئے اس شان سے کھڑے تھے کہ دیکھنے والوں کو پسینہ آجائے۔

چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کے بعد صحرا کا سخت معرکہ شروع ہوا۔ سوار جتھے، غیظ وغضب سے چیختے ہوئے تیروں کی بارش میں سمٹتے ہوئے، چھوٹی چھوٹی تلواریں چلاتے ہوئے، کمندوں اور تیروں سے اپنے دشمنوں کو زین سے نیچے کھینچتے ہوئے۔ وادی میں اس سرے سے اس سرے تک لڑائی ہوتی رہی۔ جتھے منتشر ہوتے، پھر جمع ہوتے۔ پھر منتشر ہوجاتے۔ پسینے کی جگہ لہو بہہ رہا تھا مگر کوئی حریف شکست ماننے کو تیار نہیں تھا۔ سورج سے یہ منظر دیکھا نہ گیا اور اس نے منہ پھیرنا چاہا تو حملوں میں مزید شدت آگئی۔ ہر فریق شام سے پہلے پہلے فیصلے کا بگل بجانا چاہتا تھا۔ چنگیز خان نے اپنے دستوں کو اس خوب صورتی سے مورچوں پر جمایا تھا کہ قدم اکھڑتے تھے مگر پھر جم جاتے تھے۔ تیس ہزار پر اس کے تیرہ ہزار بھاری پڑرہے تھے۔ دوسری جانب کی تعداد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی جارہی تھی۔ دن کی روشنی پاؤں سمیٹ رہی تھی۔ دن چھپ گیا تو تائجوت اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پانچ چھ ہزار لاشیں، گدھوں کا لقمہ بننے کے لیے میدان میں پڑی رہ گئیں۔ ستر سوار قیدی بنا کر چنگیز خان کے سامنے لائے گئے۔

یہ پہلی بڑی لڑائی تھی جو اس نے میدان میں لڑی اور جیتی تھی۔ اب وہ بڑے فخر سے ہاتھی دانت سے مرصع جریب اپنے ہاتھ میں لیے رہتا تھا۔ یہ سپہ سالار یعنی لوگوں کے سردار کا نشان تھا۔

اسے وہ دن یاد آتے تھے جب وہ اکیلا تھا۔ اتنا اکیلا کہ اسے اپنے آٹھ گھوڑوں کے تعاقب کے لیے پگڈنڈی پر بیٹھے ہوئے ایک لڑکے بغور چی کی مدد لینا پڑی تھی یا ایک مرتبہ قتسار نے تیروں کی بارش کر کے اس کی جان بچائی تھی۔ اسے ایک مرتبہ اپنے بکھرے ہوئے قبائل کے پاس جانور مانگنے کے لیے جانا پڑا تھا۔ اب وہ اکیلا رہنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے نوکر بنیں۔ سیاسی قوت سے وہ واقف نہیں تھا۔ دولت زیادہ دیر کام نہیں آسکتی تھی۔ اس کے نزدیک طاقت کا معیار انسانوں کی تعداد تھی۔ اسے انسانوں کی ضرورت تھی جو اس کے وفادار ہوں، اس کے لیے جان نثار کرسکیں۔ جو ایسے طاقت ور ہوں کہ پتھروں کو کچل کر ریت بنادیں۔ ایک دن وہ اس پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ گیا جسے لوگ ''تنگری'' کا مسکن سمجھتے تھے۔ تنگری اوپر کی ہوا کی وہ روحیں تھیں جو طوفان لاتی تھیں اور بجلی یا کڑک پیدا کرتی تھیں۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور آسمان سے ہم کلام ہوگیا۔

''اے لامتناہی آسمان! مجھ پر کرم کر۔ اوپر کی روحوں کو میرا دوست بنا کر بھیج لیکن زمین پر آدمیوں کو بھیج تاکہ وہ میری مدد کرسکیں۔''

پھر اس کا یہ معمول ہوگیا۔ وہ پہاڑ پر جاتا اور دعا میں مشغول ہوجاتا۔ اس کی دعائیں مقبول ہوتی گئیں۔ خاندان کے خاندان، دس بیس نہیں، سیکڑوں کی تعداد میں اس کے پرچم تلے جمع ہوگئے۔ اس کے ساتھ رہنے کا مطلب یہ تھا کہ لوٹ مار کا مال بڑے پیمانے پر مل سکتا تھا کیونکہ وہ لوٹ کے مال کی تقسیم کا قائل نہیں تھا۔ جو شخص جتنا لوٹتا وہ سب اس کا ہوجاتا۔

وہ اپنے گرد ایسا دربار اکٹھا کررہا تھا جس میں مشیر اور مسخرے نہیں تھے بلکہ سب کے سب بہترین جنگجو تھے۔ ایک دن بغور چی بھی اپنے خاندان سمیت.... اس کی حفاظت میں آگیا۔ جبی اور مقولی جیسے چالاک اور منجھے ہوئے سپہ سالار بھی اس کے پاس چلے آئے۔ خان کے یہ بہادر، گوبی کے پورے علاقے میں ''قیات'' (اڈمتے ہوئے دھارے) کہلانے لگے۔

اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے اس کو سنگدلانہ مستقل مزاجی اور متوازن منصف مزاجی کی ضرورت پڑتی تھی۔ وہ اس پر پورا اتر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ اس کا مزاج بن گیا۔ سزا دیتے وقت قطعی رحم نہ کھانا، اس کی ضرورت تھی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کے زہریلے جنگجو خود اس کا اقتدار خطرے میں ڈال دیتے یا آپس میں لڑ مرتے۔

اب ایک لاکھ خیمے اس کے جھنڈے تلے جمع ہوچکے

تھے۔ ایک پوری قوت کی حفاظت کا بوجھ اس کے کندھوں پر آ چکا تھا۔ قبائلی لڑائیاں کسی طور ختم ہونے کو نہ آتی تھیں۔ بڑے بڑے قبیلے بھیڑیوں کی طرح لڑتے ایک دوسرے کا پیچھا کرتے، ایک دوسرے کا شکار کھیلتے۔ نوجوان خان اپنی خوف ناک شجاعت سے اپنے جنگجوؤں کی ہمت بڑھاتا رہتا۔ اپنی منصف مزاجی سے انہیں خوش کرتا رہتا۔ وہ صرف اچھا سپاہی نہیں تھا، اچھا منتظم بھی ثابت ہو رہا تھا۔ اس کی عمر اب تیس سال ہو چکی تھی۔ اس کے بیٹے جوان ہو چکے تھے۔

یہ جنگیں جو قبیلوں کے درمیان لڑی جاتی تھیں ان وحشیوں کی آمدنی کا ذریعہ بھی تھیں۔ لوٹ مار میں سیکڑوں جانور ہاتھ آتے تھے لیکن اب خان کے ریوڑ میں اتنے جانور آ چکے تھے اور اس کے ماتحت جنگجو اتنے دولت مند ہو چکے تھے کہ اب اسے مزید کی آرزو نہیں رہی تھی اب اگر اسے لالچ تھا تو اقتدار کی وسعت کا۔ پھر اس نے اپنی مجلس مشاورت کے سامنے ایک ایسا خیال پیش کیا جو اس سے پہلے صحرائے گوبی میں کسی نے سوچا بھی نہیں تھا۔

''میں چاہتا ہوں تمام قبیلے ایک برداری میں ڈھل جائیں اور ان کا ایک سردار ہو۔ اس طرح دشمنیاں ختم ہو جائیں گی اور ہم اپنی طاقت اپنی مشترکہ دشمن کو ختم کرنے میں استعمال کر سکیں گے۔''

اس پوری برداری کا سردار ظاہر ہے وہ خود بننا چاہتا تھا۔ اس کے دل میں یہ ارادہ بھی پختہ ہو چکا تھا کہ قبائلی لڑائیوں سے نجات مل جائے تو وہ ان کی طرف سے بے فکر ہو کر اپنے سایوں پر بھی اپنا اقتدار جما سکے۔

بارہویں صدی عیسوی ختم ہو رہی تھی اور چنگیز خان اس کام کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ کام اکیلے اس کے بس کا نہیں تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر قوم قرایت کے سردار طغرل خان کی طرف رجوع کیا۔ قرایت باقاعدہ شہر بنا کر رہنے لگے تھے۔ ان کے شہر قافلوں کی اس شاہراہ پر تھے جو چین کے شمالی دروازوں سے مغرب کی طرف جاتی تھی۔

اس نے طغرل خان کو باہمی معاہدے کی تجویز پیش کی۔

''اے میرے باپ! تیری مدد کے بغیر میں دشمنوں کی چھیڑ سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور تو مجھ سے پکی دوستی کے بغیر امن سے نہیں رہ سکتا۔ تیرے دغا باز بھائی تیرے علاقے پر حملہ کر کے چراگاہوں کو آپس میں بانٹ لیں گے۔ ہم دونوں کے لیے اپنی حکومت قائم رکھنے اور جان سلامت رکھنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم ایسی دوستی اور یگانت پر قائم رہیں جسے کوئی نہ توڑ سکے۔ اگر میں تیرا بیٹا بن جاؤں تو ہم دونوں کے لیے اس معاملے کا فیصلہ ہو جائے گا۔''

طغرل خان کے پاس جیسے ہی یہ تجویز پہنچی، اس نے چنگیز خان کی وفاداری اور پچھلی خدمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے شرف قبولیت بخشا اور دونوں کے درمیان معاہدہ ہو گیا۔

اس معاہدے کا مقصد ہی یہ تھا کہ صحرائے گوبی میں دور تک پھیلے ہوئے قبائلیوں کی طاقت کو کچل کر رکھ دیا جائے اور ان سب کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ شکست کھا کر مغلوں کے پرچم تلے آ جائیں۔

اس معاہدے پر عمل کرنے کا ایک موقع جلد ہی آ گیا۔ چین کی سرحد پر تاتاریوں کی چھیڑ خانی جاری تھی۔ ان سے تنگ آ کر چین کے شہنشاہ نے اپنی فوجوں کو دیوار چین کے اس پار بھیج دیا کہ وہ تاتاریوں کا قلع قمع کر دیں۔ ان فوجوں کے آتے ہی تاتاری اپنی عادت کے مطابق ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور چھپ چھپ کر حملے کرنے لگے۔

چنگیز خان کے لیے تاتاریوں کو ختم کرنے کا ایک سنہری موقع تھا۔ اس نے اپنے قیدیوں میں سے ایک پڑھے لکھے آدمی کو بلایا اور طغرل خان کو خط لکھوایا ''یہ تاتاری ہی تھے جنہوں نے میرے باپ کو قتل کیا تھا۔ یہ موقع ہے کہ ان سے انتقام لیا جائے۔ ان کے عقب میں چین کی فوجیں ہیں۔ دوسری طرف ہم ان کی گردن پکڑ لیں گے۔''

ایک سوار یہ خط لے کر روانہ ہوا۔ چنگیز خان نے بڑی تیزی سے اپنے قبیلے والوں کو جمع کیا اور خط کا جواب آنے سے پہلے ہی اپنے لشکروں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ وہ راستے میں تھا کہ اسے خط کا جواب مل گیا۔ قرایت اس کے ساتھ مل کر لڑنے کو تیار تھے۔

دونوں کے متحدہ لشکر کسی آفت ناگہانی کی طرح تاتاریوں پر ٹوٹ پڑے۔ تاتاریوں کی عجیب حالت تھی۔ متحدہ لشکر کا مقابلہ ممکن نہیں تھا، پیچھے ہٹ نہیں سکتے تھے کہ چینی فوج منہ کھولے کھڑی تھی۔ وہ بساط بھر لڑنے کی کوشش کرتے رہے لیکن بھاری جانی نقصان اٹھا کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ بھاگنے والوں میں سے بہت سوں کو قیدی بنا لیا گیا اور یوں ایک جنگ میں تاتاریوں کی طاقت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

☆☆☆

چنگیز خان اپنے گھرانے کے لوگوں کو ان دریاؤں کے کنارے شکار کے لیے لے گیا۔ سبز پوش میدانوں میں خیموں کا میلہ لگ گیا۔ چکڑوں کے بیلوں کو کھول دیا گیا، خیموں اور یورتوں کی میخیں گاڑ دی گئیں۔ اس کے بعد مرد شکار کے لیے

روانہ ہوگئے۔ سواروں نے دور تک ایک حلقہ سا بنالیا تھا۔ نرغے میں بارہ سنگھے، ہرن اور بہت سے چھوٹے موٹے جانور گھیر لیے گئے۔ پھر وہ حلقے کو تنگ کرتے گئے اور اپنی کڑی خم دار کمانوں سے شکار کھیلتے گئے۔ یہاں تک کہ آخری جانور تک شکار ہوگیا۔

سواروں کی یہ ٹولی شکار کرکے واپس ہوئی تو سبز پوش میدانوں میں جشن کا سماں ہوگیا۔ جابہ جا آگ جلنے لگی۔ شکار کی تقسیم شروع ہوئی۔ طغرل خان کے آدمی جو اس شکار میں شامل تھے، انہوں نے اس شکار پر بھی قبضہ جمالیا جو دراصل مغلوں کا حصہ تھا۔ اس پر کچھ تکرار ہوگئی۔ چنگیز خان نے اس ناانصافی کو خاموشی سے برداشت کرلیا کیونکہ طغرل خان اور اس کے درمیان یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگر ان کے درمیان کوئی اختلاف ہوگا تو ایک دوسرے کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے بلکہ دونوں مل کر اطمینان سے بات چیت کریں گے۔

اسے یہ محسوس ہونے لگا کہ قرایت کے علاقے میں اس کے بہت سے دشمن ہیں جو اسے خان کے منصب سے معزول کرنا چاہتے ہیں اور کسی طرح طغرل کی نظروں میں گرانے کے درپے ہیں۔ آج کے واقعے نے اسے اور بھی ہوشیار کردیا۔ وہ جلد از جلد طغرل سے ملنا چاہتا تھا۔ اس نے جانے سے پہلے اپنے کچھ آدمیوں کو دیکھنے کے لیے بھیجا کہ آگے راستہ محفوظ ہے یا نہیں۔ حالات نے اسے اتنا ہوشیار بنادیا تھا کہ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھنے لگا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کے دشمنوں نے جان بوجھ کر شکار کی تقسیم پر جھگڑا کیا ہو تاکہ میں اس کی شکایت لے کر طغرل کے پاس جاؤں اور مجھے راستے میں قتل کردیا جائے۔

''اس کے بھیجے ہوئے سوار ابھی واپس بھی نہیں آئے تھے کہ دو چرواہے اس کے خیمے میں آئے اور اسے قرایت کی نیت سے آگاہ کیا ''مغرب میں جو آپ کے دشمن ہیں۔ انہوں نے آپ کا کام تمام کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ انہوں نے طغرل خان کو آمادہ کرلیا ہے کہ وہ ان کی مدد کریں۔''

''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟''

''میں اپنے کانوں سے سن کر اور آنکھوں سے دیکھ کر آرہا ہوں۔ بہت سے قرایت بہت قریب میں پڑاؤ ڈالے بیٹھے ہیں۔ ان کا ارادہ رات کو شب خون مارنے اور تیروں سے آپ کو آپ کے خیمے میں ہلاک کرنے کا ہے۔''

''اس نے ان چرواہوں کو رخصت کیا اور اپنے یورت کے محافظوں کو ادھر ادھر بھیجا کہ سوتے ہوؤں کو جگادو، سرداروں کو باخبر کردو۔ ریوڑوں کو باہر نکال دو کہ صبح ہوتے ہی دور بھگا دیے جائیں۔

خیمہ گاؤں میں ہر طرف شور مچ گیا کہ شب خون مارا جانے والا ہے۔ اس وقت چنگیز کے پاس تین ہزار سے بھی کم مسلح لوگ تھے لہٰذا مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مرد گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ ہلکی اونٹ گاڑیوں پر سامان کے صندوق اور عورتوں کو سوار کرکے اصلی خیمہ گاہوں کی طرف واپسی کا سفر شروع کردیا گیا۔

یورتوں اور بڑی بڑی بیل گاڑیوں کو ویسے ہی کھڑا رہنے دیا گیا تاکہ کسی کو یہ شک نہ ہوسکے کہ قافلہ فرار ہوگیا ہے۔ یہ قرایت کو دھوکا دینے کا ایک طریقہ تھا۔

آٹھ نو میل کا سفر طے کرنے کے بعد انہوں نے ایک پہاڑی درے میں قیام کیا تاکہ گھوڑے بھی آرام کرلیں۔ ادھر قرایت شب خون مارنے کے لیے خیموں میں پہنچے تو خیموں کو خالی دیکھا۔ انہوں نے وقت ضائع کیے بغیر مغلوں کا پیچھا شروع کردیا۔ چنگیز خان نے گھاٹی سے، گرد کا بادل سا اٹھتے ہوئے دیکھا۔ یہ تعاقب کرنے والوں کے سوا کون ہوسکتا تھا۔

گھاٹی پر مزید انتظار کیے بغیر اس نے اپنے جنگجوؤں کو تنگ صفوں میں آراستہ کرکے باہر نکالا۔ ان کے گھوڑے آرام کرکے تازہ دم ہوچکے تھے۔ انہوں نے ندی پار کرکے قرایتوں کے ہراول دستوں کو درہم برہم کردیا۔ اسی اثنا میں طغرل خان اور اس کے سردار بھی آگئے۔ دستوں کی نئے سرے سے تنظیم کی جانے لگی۔ چنگیز خان ایسی مصیبت میں اس سے پہلے نہیں گھرا تھا۔ اس کے لشکر کی تعداد اتنی کم تھی کہ سامنے سے حملہ کرنا ممکن نہیں تھا جبکہ یہ مغلوں کے لیے آخری موقع تھا۔ اس نے اپنے ایک منہ بولے بھائی گلدار کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ قرایت کی صفوں کا چکر کاٹ کے ان کے پیچھے بائیں جانب کی جیتہ پہاڑی پر قبضہ کرلے۔

''اے بھائی، میرے خان! میں اپنے سب سے اچھے گھوڑے پر سوار ہوکر جاؤں گا اور دشمن کی صفوں کو چیر کر گزر جاؤں گا۔ میں تیرا یاک کی دموں والا پرچم جیتہ پر نصب کردوں گا۔ میں تجھے بہادری دکھاؤں گا اور اگر مارا گیا تو، تو میرے بچوں کو پال پوس لینا۔'' گلدار نے کہا۔

قرایت اس کی صفوں میں گھسے چلے آرہے تھے لیکن گلدار کسی نہ کسی طرح چکر کاٹ کر دشمن کے عقب میں پہنچ ہی گیا اور پہاڑی پر قبضہ کرلیا۔ اس کی وجہ سے قرایت کے قدم کچھ رک گئے۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ طغرل کا بیٹا زخمی ہوگیا۔

آفتاب غروب ہونے لگا تھا۔ چنگیز خان کو اب گلدار کی واپسی کا انتظار تھا۔ وہ جیسے ہی واپس آیا۔ چنگیز خان نے اپنے زخمیوں کو جمع کیا اور مشرق کی طرف بھاگ نکلا۔

اس معرکے میں اس کی شکست ضرور ہوئی لیکن اس نے اپنے قبیلے والوں کو زندہ رکھا اور خود بھی زندہ بچ کر آ گیا۔ یہی اس کی بڑی کامیابی تھی ورنہ کسی کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔

چنگیز خان اس شکست کے بعد غصے سے دہرا ہو رہا تھا۔ اس نے قریب کے قبیلوں کی طرف قاصد دوڑائے۔ بہت جلد اس کے ہمسائے اس کے سامنے دو زانو ہو گئے۔ ہر ایک کو قرایت کی بڑھتی ہوئی طاقت سے تشویش تھی۔ آج چنگیز خان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے کل ہمارے ساتھ ہو سکتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ قرایت کا اگر کوئی مقابلہ کر سکتا ہے تو وہ چنگیز خان ہے۔

چنگیز خان نے ہر ایک سے اس کی رائے مانگی۔ بعض کی تجویز یہ تھی کہ قرایت کی اطاعت کر لی جائے جبکہ بعض کا خیال تھا کہ ان سے جنگ کی جائے اور چنگیز خان کو اپنا آقا بنا لیا جائے۔

دوسری تجویز پر اتفاق رائے ہو گیا اور سرداری کا عصا چنگیز خان کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ وہ تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

''شروع سے میں تم سے کہتا آیا ہوں کہ تین دریاؤں کے درمیان کی زمین ایک آقا ہونا چاہیے۔ یہ پہلے تمہاری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اب جبکہ تمہیں یہ ڈر ہے کہ طغرل خان تم سے بھی وہی سلوک کرے گا جو اس نے مجھ سے کیا ہے تو تم نے مجھے اپنا سردار منتخب کیا ہے۔ میں نے تمہیں قیدی، عورتیں، یورت اور ریوڑ عطا کیے ہیں۔ اب میں تمہارے لیے زمینوں اور اپنے آباؤ اجداد کے بنائے ہوئے قاعدوں کے حفاظت کروں گا۔''

وادیوں میں ابھی برف پگھلی نہیں تھی کہ چنگیز خان نے اپنے نئے حلیفوں کے ساتھ چپ چاپ طغرل خان کی خیمہ گاہ کی جانب پیش قدمی شروع کر دی اور کچھ فاصلے پر جا کر رک گیا۔ ہتھیار چلانے سے پہلے اس نے چالاکی کا ہتھیار استعمال کیا۔ ایک مغل کو دشمنوں کی صفوں میں بھیجا کہ وہ وہاں پہنچ کر چنگیز کی بدسلوکی کی شکایت کرے اور یہ ظاہر کرے کہ وہ مغلوں سے بھاگ کر آیا ہے۔ وہ اس کی باتوں کا یقین کر لیں تو انہیں بتائے کہ چنگیز خان خاصے فاصلے پر ٹھہرا ہوا ہے جبکہ وہ بالکل ان کے سروں پر آ گیا تھا۔ وہ قرایت کو غلط فہمی میں رکھ کر اچانک حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔

وہ مغل پریشان، گھبرایا ہوا قرایت کے لشکر میں آیا۔ چنگیز خان کے مظالم کی فرضی ''داستان'' بیان کی ''میں بڑی مشکل سے جان بچ کر آیا ہوں تاکہ آپ لوگوں کو یہ بتا دوں کہ وہ لشکر کشی کے لیے پر تول رہا ہے۔''

''اس وقت وہ کہاں ہے؟''

''ابھی تو اپنی خیمہ گاہ سے آٹھ نو میل کا... فاصلے ہی طے کیا ہوگا کیونکہ میں ان کے روانہ ہونے سے پہلے بھاگ آیا تھا۔''

''ہم تیری بات کا کیسے یقین کر لیں۔''

''میں جب کہہ رہا ہوں تو سچ ہی کہہ رہا ہوں گا۔''

قرایت نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا اور کچھ سوار اس کے ساتھ بھیجے کہ ادھر ادھر گھوم پھر کر دیکھیں کہ اس مغل کی بات میں کتنی صداقت ہے چنگیز خان کہیں قریب ہی تو پڑاؤ ڈالے نہیں بیٹھا ہے کہ ہم غافل رہیں اور وہ حملہ کر دے۔

ماہر شہسوار اس مغل کے ساتھ خیمہ گاہ سے نکلے اور مشرق کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ مغل کو ایک ٹیلے پر مغلوں کا پرچم لہراتا نظر آیا۔ مغل فوراً چوکنا ہو گیا۔ اگر قرایت سواروں کی نظر پڑ گئی تو وہ اسے بھی قتل کر دیں گے اور فرار ہو کر اپنے لشکر کو بھی آگاہ کر دیں گے۔ اس نے فوراً اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور گھوڑے سے کود گیا۔

''کیا ہوا خان؟''

''میرے گھوڑے کے سموں میں پتھر آ گئے ہیں۔ انہیں نکال لوں تو پھر آگے چلتے ہیں۔''

وہ گھوڑے سے اتر کر فرضی پتھر نکالنے لگا۔ قرایت سوار رک کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ اس نے اتنی دیر لگا دی کہ چنگیز کا ہراول دستہ تیز رفتاری کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ تمام قرایت سوار گرفتار ہو گئے۔

قرایت ابھی اپنے سواروں کی واپسی کا انتظار ہی کر رہے تھے کہ مغل لشکر بے خبری میں ان پر ٹوٹ پڑا۔ انہوں نے مقابلہ کیا لیکن شام سے پہلے پہلے انہیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ طغرل خان اور اس کا بیٹا دونوں زخمی ہو کر بھاگ نکلے۔ چنگیز خان گھوڑے پر سوار ہو کر متوحہ خیمہ گاہ میں داخل ہوا۔ مال و دولت کے انبار دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ گھوڑوں کی زینیں جن پر رنگین ریشم اور سرخ زخم چڑا بچھا تھا۔ پتلی بڑی اچھی صیقل کی ہوئی تلواریں، چاندی کی رکابیاں اور ساغر۔ طغرل خان کا خیمہ جس کا استر زریں اور اطلس کا تھا۔ اس نے تمام سامان اپنے سرداروں کو بخش دیا۔

یہاں سے نکل کر اس نے قرایت لشکر کے قلب کو گھیر لیا۔

لشکر کے سپاہی اس کے ظلم اور بے رحمی کی داستانیں سن چکے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی موت کا یقین تھا۔ انہیں یقین تھا کہ یا تو وہ گرم پانی میں ڈال کر ابال دیے جائیں گے یا ان کے اعضا ایک ایک کر کے کاٹے جائیں گے۔ اذیت کے اس خیال سے ہی ان پر تھرتھری طاری تھی۔ جب چنگیز خان ان کے سامنے آیا تو وہ اس کا اعلان سننے کے منتظر تھے۔

''جس طرح تم اپنے آقا کی ملازمت میں لڑے، بہادروں کی شایان شان تھا۔ اب تم میرے آدمی بنو اور میرے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔''

یہ پیش کش سخت دھوپ میں بادل کے ٹکڑے کی طرح تھی۔ یہ قرایت اس کے پرچم تلے آ گئے اور اس نے ان کے شہر قراقورم کی طرف پیش قدمی شروع کی جو صحرا میں تھا۔ یہاں اس کا رشتے کا بھائی جاقومہ پکڑا گیا جو قرایت کے ساتھ مل کر اس کے خلاف سازشیں کرتا رہا تھا۔

''تجھے کس طرح کے سلوک کی توقع ہے؟'' چنگیز خان نے اس سے پوچھا۔

''وہی سلوک جو میں تیرے ساتھ کرتا، اگر میں نے تجھے گرفتار کیا ہوتا۔ آہستہ آہستہ عذاب کی موت۔'' جاقومہ نے بہادری سے جواب دیا۔

اس کی بہادری سے چنگیز خان متاثر بھی ہوا اور اسے اپنے قبیلے کی رسم کی پابندی بھی کرنی تھی جس کے مطابق کسی عالی نسب کا خون بہانے کی ممانعت تھی۔ اس نے حکم دیا کہ جاقومہ کو ریشم کے پھندے سے پھانسی دی جائے۔ اس طرح خون بھی نہیں بہے گا اور اس کی موت بھی واقع ہو جائے گی۔ اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔

بوڑھا طغرل خان اپنے زخمی بیٹے کے ساتھ بے یار و مددگار صحرا کی خاک چھانتا پھر رہا تھا۔ چنگیز خان کا خوف اسے کسی جگہ رکنے نہیں دیتا تھا۔ اس کا ہر قدم اسے اپنے علاقے سے دور کرتا جا رہا تھا۔ ایک جگہ وہ اپنے زخموں کو دھونے کے لیے ایک ندی کے کنارے اترے کہ دو ترک جنگجو اس طرف آ نکلے۔

''تمہارا لباس بتا رہا ہے کہ تم کوئی سردار ہو۔'' ترکوں نے پوچھا۔

''میں طغرل خان ہوں اور یہ میرا بیٹا ہے۔ چنگیز نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے۔ ہمیں گھر سے بے گھر کر دیا ہے۔''

''وہ تو اب ہمارا بھی آقا ہے۔ کیا ہم تجھے قتل کر کے اسے خوش نہیں کریں گے۔ کیا ہمارے لیے یہ اعزاز نہیں ہوگا کہ ہم نے طغرل خان کو قتل کیا۔''

ان ترکوں نے تلواریں سونت لیں اور آن کی آن میں دونوں کے سر تن سے جدا کر دیے۔ لاشیں وہیں پڑی رہنے دیں اور سر لے کر قبیلے کی طرف دوڑ پڑے۔ دونوں سروں کو چاندی سے مرصع کر کے اپنے خیمے میں رکھ دیا جسے دیکھنے کے لیے عرصہ دراز تک لوگ آتے رہے۔

اس نے سب سے طاقت ور قبیلے کو اس طرح شکست دی تھی کہ ان کا نام و نشان تک مٹا دیا تھا۔ اس کے بعد اسے مطمئن ہو جانا چاہیے تھا جیسا کہ خانہ بدوشوں کا قاعدہ تھا۔ ان کی لڑائیاں ان کا روزگار بن گئی تھیں۔ جب ایک قبیلے کے پاس جانور کم ہو جاتے، وہ دوسرے قبیلے پر چڑھائی کر کے جانور لے آتا۔ لوٹ مار سے جو مال غنیمت ملتا، اسے خرچ کرتے۔ جب ختم ہو جاتا پھر لڑائی کے لیے نکل جاتے۔ یہی قاعدہ تھا۔ لیکن چنگیز خان کسی اور ہی مٹی کا بنا تھا۔ اس نے مال غنیمت پر کبھی انحصار نہیں کیا۔ وہ تو نئی نئی فتوحات کا شائق تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کا مرکز قرایت کے علاقے کو بنایا اور اپنے لشکر کو نئی فتوحات کے لیے آگے بڑھایا۔ تین سال کے اندر اندر یہ عالم ہو گیا کہ شمال کے سفید برف پوش پہاڑوں کے سلسلے سے لے کر جنوب میں دیوار چین کی پوری لمبائی تک اس کے افسر گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے۔ اب وہ صحرائے گوبی کا واحد حکمران تھا۔ اس نے اتنا جم غفیر اکٹھا کر لیا جو معلوم ہوتا کہ مٹی دل کی طرح ساری دنیا پر چھا جائے گا، تب اس نے دنیا کے بہت بڑے حصے کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ ایسا کر بھی سکتا تھا۔ اس کی زندگی کی تشکیل اس کے دشمنوں نے کی تھی۔ مشکلوں نے اس کے جسم کو طاقت بخشی تھی۔ اسے بھیڑیوں کی سی چالاکی عطا کی تھی۔ اب وہ اتنا طاقت ور ہو گیا تھا کہ اپنی مرضی کے مطابق فتوحات کا سلسلہ شروع کرے۔

اس نے خانوں کی مجلس مشاورت طلب کی کہ وہ ایشیائے بلند کی تمام قوموں پر حکومت کرنے کے لیے ایک فرد واحد، ایک شہنشاہ کا انتخاب کریں۔ قدرتی طور پر مجلس مشاورت نے اسی کو منتخب کیا۔ مجلس نے یہ بھی طے کیا کہ اسے ایک موزوں خطاب دیا جائے۔ مجلس میں ایک پیش گوئی کرنے والا بھی موجود تھا جو آگے بڑھا اور جس نے اعلان کیا کہ اس کا نیا نام چنگیز خان (سرداروں کا سردار) ہوگا۔ اس سے پہلے وہ تموچن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس وقت اس کی عمر 46 سال تھی۔ وہ ترکوں اور مغل قوموں کا واحد سردار تھا۔ اس کا یہ خواب پورا ہو گیا تھا کہ تمام قبیلے ایک برداری ہوں اور ان کا ایک آقا ہو۔

آقا ایک ہوگیا لیکن مختلف قوموں کو متحد رکھنا آسان نہ تھا۔ یہ لوگ قبائلی رسموں کے پابند رہے تھے اور ہر قبیلے کی رسمیں جدا جدا تھیں۔ اگر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو بہت جلد آپس کی رقابتیں زور پکڑ لیتیں اور یہ لوگ آپس میں لڑ مرتے۔ ضروری تھا کہ انہیں کسی ایک قانون کا پابند کیا جائے جس میں قبائلی رسموں کا لحاظ بھی رکھا جانا ضروری تھا اور نئے حالات کے مطابق کچھ نئے قوانین کا وضع کرنا بھی ضروری تھا۔ یہ کام چنگیز خان کا تھا کہ وہ ان قوانین کو حکم کا درجہ دے کر ان سے عمل کرائے۔ اس نے اعلان کر دیا کہ اس نے مختلف قبائل پر حکومت کرنے کے لیے ''یاسا'' (قوانین کا مجموعہ) وضع کیا ہے۔ اس کے پرچم تلے جتنے لوگ ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ اس کی پاسداری کریں۔

یاسا کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا تھا۔

''حکم دیا جاتا ہے کہ سارے انسان ایک خدا پر یقین کریں جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، جو اکیلا امیری یا غریبی، زندگی یا موت اپنی مرضی کے مطابق عطا کرتا ہے، جس کی طاقت اور حکومت ہر شے اور ہر شخص پر کامل اور مکمل ہے۔''

اس کے بعد چند اخلاقی قوانین کا ذکر تھا۔ چوری اور زنا کی سزا موت قرار دی۔ اس نے اس ''یاسا'' میں لکھا کہ بیٹا اپنے والدین کی یا چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی نافرمانی نہ کرے، امیر، غریبوں کی مدد... کریں یا کمتر درجے کے لوگ سرداروں کی عزت کریں۔

نشہ، مغلوں کی بڑی خاص علت تھی۔ اس نے مہینے میں صرف تین مرتبہ نشے سے مدہوش ہو جانے کی اجازت دی۔ یاسا نے مغلوں پر آپس میں لڑائی جھگڑا حرام کر دیا۔ کوئی آدمی اس وقت تک خطاوار نہیں سمجھا جائے گا جب تک وہ اقبال جرم نہ کر لے۔ جنگجو پر حرام تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ دے۔ وہ اپنوں میں سے کسی کو زخمی چھوڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ جب تک پرچم لڑائی کے میدان سے ہٹا نہ لیا جائے اس وقت تک لڑائی کو چھوڑ کر لوٹ کھسوٹ کرنا منع تھا۔

ان قوانین کے بعد یہ لشکر اب قبیلوں کا بے ترتیب مجمع نہیں رہا تھا۔ رومتہ الکبریٰ کے عسکری کی طرح اس کی ترتیب و تنظیم مستقل تھی۔ فوجوں کے سردار خان تھے جو خان کے سپہ سالار تھے۔ ان کی جملہ تعداد گیارہ تھی۔ لشکر کے ہتھیار بعض افسروں کے زیر نگرانی اسلحہ خانے میں رکھے رہتے تھے اور وقت ضرورت جنگجوؤں میں تقسیم کیے جاتے تھے۔

اب اس کی قوت اتنی بڑھ گئی تھی کہ چین کے شہنشاہ کو اپنے ایک دشمن سے جنگ کے لیے مغل سواروں کی کمک طلب کرنی پڑی۔ ایک زمانہ وہ تھا جب یہ شہنشاہ خانہ بدوشوں سے خراج وصول کرتے تھے یا اب فوجی کمک طلب کر رہے تھے۔ یہ بھی ایک قسم کا خراج تھا لیکن چنگیز خان نے خوشی خوشی کئی تومان اس کی مدد کے لیے بھیج دیے۔

چنگیز خان نے اس عظیم دیوار چین کو کئی جگہ سے دیکھا تھا۔ اس کی مٹی اور اینٹ کی فصیل کا غور سے معائنہ کیا تھا۔ اس کے دروازوں پر برجوں کو دیکھا تھا۔ اوپر دیوار کی چوڑائی کا اندازہ اس سے کیا تھا کہ چھ گھوڑے سینہ بہ سینہ اس پر دوڑائے جا سکتے تھے۔ وہ اب یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ دیوار کے اس طرف کی زندگی کیسی ہے۔ اسی لیے اس نے اپنے سپاہی بھیج کر یہ جاننے کی کوشش کی تھی کہ وہاں سے واپس آ کر وہ کیا بتاتے ہیں۔ اس نے اس خاص ہدایت کے ساتھ انہیں بھیجا کہ وہ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور ایک ایک چیز کا احوال واپس آ کر مجھے بتائیں۔

جب یہ سپاہی گوبی واپس ہوئے اور انہوں نے اس سرزمین کا نقشہ کھینچا تو یہ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی جادو کی سرزمین دیکھ کر آئے ہیں۔ چنگیز کو یقین نہیں آتا تھا کہ انسان اس طرح زندگی گزارتے ہیں۔ شہروں کی سج دھج ایسی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے تو شہر بنا کر رہنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ قرایت نے شہر آباد کیے تھے لیکن ان کے گھر گھاس پھوس کے ہوتے تھے۔ اس کا ایک سردار جی نویان اسے بتا رہا تھا۔

''دریاؤں کے کنارے پتھر کے چبوتروں پر پکی اور صاف سڑکیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ لکڑی کے کبت، (چھکڑے) دریاؤں میں بہتے پھرتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں کی دیواریں اتنی اونچی ہیں کہ گھوڑے چھلانگ مار کر انہیں پار نہیں کر سکتے۔''

ایک دوسرا سردار بیچ میں بول پڑا ''وہاں کے لوگ رنگ برنگ کے ریشم کی صدریاں پہنتے ہیں۔ بعض بعض غلاموں کے پاس بھی سات سات صدریاں ہیں۔ بوڑھے راویوں کے بجائے نوجوان شعرا دربار کی تفریح کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ ریشم کے پردے پر اشعار لکھتے ہیں۔ ان اشعار میں وہ لڑائیوں کے قصوں کے بجائے عورتوں کے حسن کا ذکر کرتے ہیں۔ ہر چیز بڑی عجیب اور حیرت ناک ہے۔''

ایک سردار نے بڑے کام کی بات بتائی ''وہاں کا شہنشاہ شاہی محل میں رہتا ہے اور اس کے سپہ سالار فوجوں کی سرداری کرتے ہیں۔''

''تو نے سب سے کام کی بات بتائی۔ ہم ان کی اسی

کمزوری سے فائدہ اٹھائیں گے۔'' چنگیز خان نے کہا۔

اس کے سردار ان داستانوں کو سن کر دیوار عظیم پر حملہ کرنے کے لیے بے تاب ہو گئے لیکن چنگیز خان ابھی اس حملے کے حق میں نہیں تھا۔ اس نے اپنے سرداروں کے فیصلے سے اختلاف کیا۔ اس وقت اپنے قبیلوں کو یورش کے لیے آگے بڑھانا اس کے لیے تباہی کا سامان ہوتا۔ اگر وہ اپنی نئی سلطنت چھوڑ کر مشرق میں شکست کھا جاتا تو اس کے دوسرے دشمن، مغل علاقوں پر حملہ کرنے میں کوئی پس و پیش نہ کرتے۔ اس حملے سے پہلے وہ اپنے ان خطرناک ہمسایوں سے صلح کر لینا چاہتا تھا جو ابھی تک اس کی دسترس سے باہر تھے۔ اس نے اپنے تین طاقت ور دشمنوں سے رشتے داریاں پیدا کیں، شادی بیاہ کیے۔ یہ سب احتیاطی تدبیریں تھیں، حفاظت کا انتظام تھا۔ اس طرح اسے چند حلیف اور مل گئے۔ اسی دوران چین کے شہنشاہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس نے اپنے آپ کو دائی ونگ کا خطاب دیا۔

چنگیز خان اس سب صورتِ حال کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا لیکن ابھی اس نے حملہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا کہ نئے شہنشاہ نے ایک افسر کو چنگیز خان کے پاس خراج وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ اپنے ساتھ شہنشاہ دائی ونگ کا فرمان بھی لے کر آیا تھا۔

وہ ریشمی استر ادر سفید سمور کے ایک اونچے شامیانے میں بیٹھا تھا۔ دروازے پر ایک چاندی کی میز پر گھوڑی کا دودھ، پھل اور گوشت رکھا تھا تا کہ جو اس کی خدمت میں پیش ہو شکم سیر ہو کر کھانا کھائے۔ شامیانے کے دوسرے سرے پر ایک نیچی سی چوکی تھی جو اس کی جلوہ گاہ تھی۔ بائیں جانب بورتائی بیٹھی تھی۔

چینی قاصد اس کے حضور پیش ہوا اور شاہی فرمان اس کی طرف بڑھایا۔ یہ شاہی فرمان تھا اور لازم تھا کہ دوزانو ہو کر اسے قبول کیا جائے لیکن اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیا۔ وہ پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن اپنے دربار میں ایسے عالم رکھتا تھا جو اس قسم کے پیغاموں کو پڑھتے تھے اور اس کی طرف سے خط و کتابت کرتے تھے لیکن اس وقت اس نے کسی مترجم کو طلب نہیں کیا۔

''نیا شہنشاہ کون ہے۔'' چنگیز نے اس چینی افسر سے پوچھا۔

''دائی ونگ۔''

آداب کے مطابق اسے جنوب کی طرف سر خم کرنا چاہیے تھا۔ اس کے برخلاف اس نے غصے کے عالم میں ایک طرف منہ کر کے تھوک دیا ''میں سمجھتا تھا کہ فرزند آسمان بڑا غیر معمولی انسان ہو گا لیکن دائی ونگ جیسا احمق تخت پر بیٹھنے کے لائق نہیں۔ میں اس کے سامنے اپنے آپ کو کیوں ذلیل کروں۔''

اسی رات اس نے اپنے حلیفوں کو اپنے شامیانے میں طلب کیا۔ آزمودہ سردار پہلو بہ پہلو بیٹھے تھے۔ اس نے نئے شاہی فرمان کے سلسلے میں ان سب کو مشورے کے لیے بلایا تھا۔

''جب تک بوڑھا شہنشاہ زندہ تھا، میں بندہ و آقا کے رشتے کا لحاظ رکھے ہوئے تھا۔ میں دائی ونگ کا کسی طرح پابند نہیں۔ وہ مجھ سے خراج طلب کرتا ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

''جنگ، یورش، حملہ۔'' ایک ساتھ کئی آوازیں آئیں۔

''میں خود بھی یہی سمجھتا ہوں کہ اب یورش کا وقت آ گیا ہے۔''

دوسرے دن چینی قاصد ایک مرتبہ پھر دربار میں طلب کیا گیا۔ جوابی پیغام رات ہی کو تیار کر کے رکھ لیا گیا تھا۔ جو قاصد کے حوالے کر دیا گیا۔ اس پیغام میں نئے شہنشاہ کو مخاطب کر کے لکھا گیا تھا۔

''ہمارا علاقہ اب اتنا منظم ہو چکا ہے کہ ہم تیرے ملک کی سیاحت کا ارادہ فرما سکتے ہیں۔ کیا تاجدار زریں (شہنشاہ چین کا خطاب) کی سلطنت اتنی مستحکم ہے کہ وہ ہمارا استقبال کر سکے۔ ہم ایک ایسے لشکر کے ساتھ آئیں گے جو سمندر کے طوفان کی طرح بپھرتا آئے گا۔ اگر تاجدار زریں ہمارا دوست بننا چاہتا ہے تو ہم اپنے زیر سایہ اسے اپنے علاقے پر حکومت کرتے رہنے کی اجازت دیں گے۔ اگر وہ جنگ کرنا چاہے گا تو یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہم میں سے ایک کو فتح اور ایک کو شکست نصیب ہو۔''

اس سے زیادہ حقارت آمیز پیغام شاید ہی کوئی اور ہو سکتا تھا لہٰذا اس پیغام کا دوستانہ جواب آنے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ مغلوں نے پیغام بھیجتے ہی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لشکر کا ہراول دستہ گوبی سے باہر بھیج دیا گیا۔ پہلا گروہ جاسوسوں اور سپاہیوں پر مشتمل تھا جن کا کام مخبروں کو پکڑ لانا تھا۔ یہ ہراول سپاہی آن کی آن میں دیوار عظیم کے پیچھے پہنچ گئے۔ ان کے پیچھے پیش رو سوار جن کی تعداد دو سو کے قریب ہو گی، علاقے بھر میں دو دو کی جوڑی میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے تیس ہزار چنے ہوئے سپاہی نہایت نفیس گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے۔ قلب فوج بنجر بلندیوں پر سے

گزرتا ہوا، گرد کے بادل اڑاتا ہوا ہراول کے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ ایک لاکھ کا یہ قلب یا کا مغلوں پر مشتمل تھا جس کی سپہ سالاری خود چنگیز خان کررہا تھا۔

چنگیز خان ایک عرصے سے سرحد کے قبیلے والوں سے پینگیں بڑھا رہا تھا لہٰذا اس کے ہمدردوں نے اس کے لیے دیوار چین کا دروازہ کھول دیا اور کسی ایک سپاہی کی جان ضائع کیے بغیر دیوار پار کرگیا۔ قطعی احکام پہلے ہی دیے جاچکے تھے لہٰذا اندر داخل ہوتے ہی مغل دستے مختلف حصوں میں بٹ گئے۔ یہ عمل اتنی خاموشی سے ہوگیا کہ کسی کے کانوں میں بھنک تک نہ پڑی۔ چین کی وہ فوجیں جو سرحد کی سڑکوں کی حفاظت کے لیے متعین کی گئی تھیں، اپنے درمیان اجنبیوں کو دیکھ کر سراسیمہ ہوگئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ یہاں تک پہنچ کیسے گئے۔ انہوں نے مقابلہ کیا لیکن بری طرح پسپا ہوگئے۔ مغل سواروں نے بھاگے ہوئے پیدل فوجیوں کو اپنے گھوڑوں سے روند ڈالا۔ تیروں کی بارش سے ہلچل مچادی۔

شہنشاہ کی بڑی فوجوں کا نیا نیا تقرر ہوا تھا۔ اسے راستے تک معلوم نہیں تھے۔ وہ کسانوں سے راستہ پوچھتے رہے اور مغل سردار جبی نویان جو پچھلے شہنشاہ کی مدد کرنے چین آیا تھا اور راستوں سے واقف تھا، رات بھر چکر کاٹ کر بڑی فوج کے عقب میں پہنچ گیا۔ مغلوں نے اس فوج کو بری طرح کاٹ ڈالا۔ جو باقی بچ گئے وہ مشرق کی طرف بھاگے جہاں انہوں نے چین کی سب سے بڑی فوج میں ہراس پھیلا دیا۔

چنگیز خان اپنے دستوں کو تیزی کے ساتھ ین کنگ لے گیا جو پایہ تخت تھا۔ شہنشاہ دائی ونگ کو تباہی کی خبریں برابر مل رہی تھیں۔ اسے یقین ہوگیا کہ چنگیز خان انسان نہیں کوئی بلا ہے۔ اسے نہ تو دیوار عظیم روک سکی نہ اس کی فوجیں۔ جب وہ پایہ تخت تک آ گیا ہے تو محل شاہی اس سے کتنا دور ہے۔ وہ اتنا خوف زدہ ہوگیا کہ تخت چھوڑ کر بھاگنے کا ارادہ کرلیا۔ اس کے وزیروں نے اسے بہ مشکل روکا۔

''ہماری فوجیں پسپا ہوئی ہیں، جان نثار ختم نہیں ہوگئے۔ عوام ہمارے حق میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ تاج وتخت کی سلامتی کے لیے وہ اپنا سب کچھ قربان کردیں گے۔ بے شک! چنگیز خان نے ہماری فوجوں کا مقابلہ کیا ہے۔ کئی شہروں پر قبضہ بھی کرلیا ہے لیکن جنگ ابھی ختم نہیں ہوگئی۔'' وزیروں نے اسے سمجھایا۔

چنگیز خان خود بوکھلا گیا جب اس نے دیکھا کہ بڑے بڑے دریاؤں کے پاس سے نئی نئی فوجیں نمودار ہورہی ہیں۔ جن شہروں کا محاصرہ ہورہا تھا معلوم ہوتا تھا محصور سپاہیوں کی تعداد دیکھتے دیکھتے دن دونی رات چوگنی ہوگئی ہے۔ یہ کون تھے؟ متوسط طبقے کا ایک جم غفیر تھا۔ اڑیل جاں نثار مجمع، بزرگوں کا نام لیوا جو اپنا سب سے بڑا فرض یہ سمجھتا تھا کہ ملک کے تاج وتخت کو سلامت رکھا جائے اور جب کبھی قوم پر برا وقت پڑے وہ سینہ سپر ہوجائے۔

چنگیز خان ین کنگ کے بیرونی باغوں سے ہوکر گزرا اور پہلی مرتبہ اس نے ان بلند وبالا دیواروں کی عظیم الشان وسعت کو دیکھا۔ پہاڑوں اور پلوں اور قلعوں کو دیکھا۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ اپنی مختصر فوج کے ساتھ ایسے لوگوں اور ایسے شہروں کا محاصرہ کرنا بے کار ہے۔ اس نے فوراً اپنے پرچموں کا رخ گوبی کی طرف موڑ دیا۔

خزاں کا موسم گزرا، بہار آئی اور اس کے گھوڑوں کو پھر سے طاقت میسر آئی تو وہ ایک مرتبہ پھر دیوار عظیم پار کرگیا۔ وہ شہر جو پہلے حملے میں اس کے آگے ہتھیار ڈال چکے تھے، اب پھر سے محافظ دستوں سے آراستہ ہوگئے تھے اور اس سے مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔ اسے پھر سے نئے سرے سے مہم شروع کرنی پڑی۔ شہروں کا محاصرہ کرنا پڑا۔

ان محاصروں کے دوران چنگیز خان پر اپنی کمزوری ظاہر ہوگئی۔ اس نے اب تک کھلے میدانوں میں لڑائیاں لڑی اور جیتی تھیں۔ شہروں کے محاصرے کا اسے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس کی فوجیں مضبوط شہروں کو فتح کرنے کے قابل نہیں تھیں لیکن اس کے ایک سردار جبی نویان نے یہ کرتب بھی پورا کردکھایا۔ وہ لیاؤ ینگ شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا لیکن کامیابی کی کوئی صورت نہیں تھی۔ پھر اس نے مغلوں کی پرانی چال چلی۔ اپنا سارا ساز وسامان، چھکڑے وغیرہ وہیں چھوڑے اور اس طرح پیچھے ہٹا گویا وہ لڑائی سے دست بردار ہورہا ہے۔

چینیوں کو یقین ہوگیا کہ مغل پسپا ہوگئے ہیں۔ انہوں نے شہر کے دروازے کھول دیے اور ساز وسامان کی لوٹ مار میں مشغول ہوگئے۔ مغل گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تلوار بس سونتے ہوئے ان کے سروں پر پہنچ گئے۔ اس خلاف توقع یلغار کو دیکھ کر چینی تصویر حیرت بنے کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دہشت ناک قتل عام کے بعد لیاؤ ینگ پر مغلوں نے قبضہ کرلیا۔

اس طرح اور شہر بھی قبضے میں آجاتے لیکن اس دوران چنگیز خان زخمی ہوگیا اور موسم بھی خزاں کا شروع ہوگیا تھا لہٰذا وہ واپس اپنی سرزمین گوبی کو لوٹ گیا جیسے کوئی بڑی لہر کنارے سے ٹکرا کر کسی بڑی تباہی کے بغیر واپس لوٹ جاتی ہے۔

اگلے موسم بہار میں وہ پھر لوٹ آیا اور چند لوٹ مار کے

حملوں پر اکتفا کر کے واپس لوٹ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا فصیلوں والے شہروں کو اس طرح ایک جست میں فتح نہیں کیا جاسکتا۔ وہ دشمن کو زخمی کر کے کمزور کر دینا چاہتا تھا تاکہ پھر اسے آسانی سے مار لیا جائے۔ اور واقعی بار بار کی صف آرائیوں سے چینی پریشان ہو گئے تھے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کب چنگیز کی فوجیں آدھمکیں گی۔ ان کے اعصاب ٹوٹنے لگے تھے۔ چنگیز خان میں کس بلا کا صبر تھا کہ وہ تین سال برابر اسی طرح آتا رہا اور لوٹ مار کر کے واپس جاتا رہا۔ اس آمدورفت سے اس کے سپاہیوں کو یہاں کی ایک ایک اینٹ یاد ہو گئی۔ چینیوں کے لڑنے کے طریقے ازبر ہو گئے۔

جب تجربے پر شباب آیا 1214ء کا موسم بہار تھا۔ بہار کا پہلا سبزہ اگا تو تین مغل فوجوں نے تین مختلف سمتوں سے یورش کی اور اس انوکھے انداز میں کی کہ تینوں کا آپس میں تعلق نہیں تھا۔ اب کی مرتبہ ان فوجوں نے تمام شہروں کا محاصرہ کیا اور قلعوں پر حملہ کرنے سے پہلے آس پاس کے دیہات سے لوگوں کو پکڑ کے آگے آگے رکھا اور ان کی آڑ میں حملہ کیا۔ یہ دیہاتی فوجوں کے ساتھ ساتھ ٹھوکریں کھاتے پھر رہے تھے۔ اکثر فصیلیں لڑے بغیر کھل گئیں۔ جہاں لڑائی ہوئی وہاں عورتوں اور بچوں کے ٹکڑے اڑا دیے گئے۔ اب ہر طرف مغلوں کے چھکڑوں کی نہ ختم ہونے والی قطار، بیلوں کے ریوڑ اور سینگوں والے پرچم نظر آرہے تھے۔

چنگیز خان ین کنگ کی فصیلوں کے قریب خیمہ لگائے ہوئے تھا۔ یہ پایہ تخت تھا اور شہنشاہ کا مسکن۔ اس کے سالار حملہ کرنے کے لیے بے تاب تھے لیکن چنگیز خان مسلسل انکار کر رہا تھا۔

''کسی عالم کو بلاؤ۔ ہم تاجدار زریں کو پیغام بھیجنا چاہتے ہیں۔''

''ان حملوں میں بہت سے عالم گرفتار ہوئے تھے جو لشکر کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ان میں سے ایک عالم کو بلایا گیا۔ چنگیز خان نے پیغام لکھوانا شروع کیا۔

''ہماری اور تمہاری لڑائی کے متعلق اب تمہاری کیا رائے ہے۔ دریائے ہوانگ کے شمال کے سارے صوبے میرے قبضے میں ہیں۔ میں اپنے گھر واپس جارہا ہوں لیکن کیا تم میرے افسروں کو تحائف سے خوش کیے بغیر واپس جانے دو گے؟''

وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ شہنشاہ میں اب کتنا دم خم باقی ہے۔ اگر وہ تحائف دینے پر تیار ہو جاتا ہے تو مال دولت تو ہاتھ آئے گا ہی لیکن یہ بھی ہوگا کہ اس کی آن بان میں کمی آئے گی اور میری فوجوں پر اس کا اچھا اثر پڑے گا۔

دائی ونگ واقعی اتنا مرعوب ہو گیا تھا کہ مقابلہ کرنے کے بجائے تحائف دینے پر تیار ہو گیا۔ اس نے چنگیز خان کو پانچ سو جوان، پانچ سو کنیزیں اور نفیس گھوڑوں کا ایک ریوڑ اور سونے اور ریشم کے تودے، تحفے کے طور پر بھجوائے۔ نوبت کہاں سے کہاں آ گئی۔ اس نے چنگیز خان سے خراج طلب کیا تھا اور اب اسے تحفے کے نام پر خراج ادا کر رہا تھا۔

چنگیز خان.... ان تحفوں سے بھی مطمئن نہیں ہوا۔ اس نے پیغام بھجوایا کہ صلح اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ شاہی خاندان کی ایک عورت اس کے حرم میں دی جائے۔ اس کی یہ شرط بھی پوری کر دی گئی۔ شاہی خاندان کی ایک عورت اس کے پاس بھیج دی گئی۔

چنگیز خان اس مرتبہ واپس ہوتے ہوئے صحرا کے کنارے ان قیدیوں کے جم غفیر کو قتل کروا دیا جسے اس کا لشکر اپنے ساتھ پکڑ لایا تھا۔ صرف عالموں اور کاریگروں کو اپنے ساتھ لیتا گیا۔

ابھی وہ راستے میں تھا کہ اسے بغاوت کی خبریں ملنے لگیں۔ اس کے قدم چلتے چلتے رک گئے۔ اس نے مخبروں اور جاسوسوں کو دوڑایا کہ مفتوحہ علاقوں سے خبریں لے کر جلد از جلد اسے پہنچائیں۔

وہ اپنے لشکر کے ساتھ دیوار چین کے قریب خیمہ لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے مخبر اسے پل پل کی خبریں پہنچا رہے تھے۔ اسے معلوم ہوا کہ شہنشاہ اپنے سب سے بڑے بیٹے کو ین کنگ میں چھوڑ کر خود جنوب کی طرف بھاگ گیا ہے۔ فوج میں انتشار پیدا ہونے لگا ہے۔ عالی نسب شہزادے، عہدے دار اور عمال نے حلف اٹھایا ہے کہ وہ شاہی خاندان کے وفادار رہیں گے۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ شہنشاہ نے ولی عہد کو بھی جنوب کی طرف بلا لیا ہے۔ پایہ تخت میں صرف شاہی گھرانے کی عورتیں اور کچھ فوج کے سپاہی رہ گئے ہیں۔

حالات سے آگاہ ہوتے ہی اس نے اپنے ایک دستے کو جنوب میں دریائے ہوانگ نو کی طرف بھیجا تاکہ مفرور شہنشاہ کا تعاقب کرے۔

اس کے ایک سردار مقولی نے ین کنگ کا محاصرہ کر لیا۔ اس شہر میں لوگ بھی بہت تھے، ہتھیار اور جنگی ساز و سامان بھی بہت تھا لیکن تنظیم نہیں تھی۔ وہ زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکے۔ شہر میں عام افراتفری مچی ہوئی تھی۔ بازاروں میں آگ لگی ہوئی تھی۔ شاہی خاندان کی معزز عورتیں ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھیں۔ دیوان شاہی ویران تھا اور چوکیدار اپنی جگہ چھوڑ

کرلوٹنے والوں میں جا ملے تھے۔ مغلوں نے قتل عام شروع کیا تو یہ بغاوت تھی۔ اب چینی فوجیوں نے بھی ہتھیار رکھ دیے اور مغلوں کے ساتھ مل گئے۔

مقولی نے شاہی خزانہ اور جنگی ساز وسامان سمیٹا اور چنگیز خان کے پاس روانہ کردیا جو اب بھی دیوار چین کے قریب بیٹھا چین کے زوال کا سماں دیکھ رہا تھا۔

فاتحین کے برعکس چنگیز خان نے چین میں جو اس کی نئی سلطنت کا سب سے زیادہ عشرت پسند حصہ تھا، قیام کرنا گوارا نہیں کیا۔ اس نے ان نئے صوبوں کی فوجی حکومت کا امیر جنگ مقولی کو مقرر کیا۔ اسے نوسفید یاکوں کی دموں والا نشان عنایت کیا اور یہ اعلان کیا کہ اس علاقے میں مقولی بہادر کے احکام کی اسی طرح پابندی ہونی چاہیے جیسے میرے احکام کی۔

اس تعیناتی سے نمٹ کر وہ خود ان بنجر بلندیوں کی طرف لوٹ آیا جو اس کی موروثی سرزمین میں واقع تھیں۔ اس نے اپنے اردو (لشکر) کے لیے صحرا کے شہروں میں سے قراقرم کا انتخاب کیا۔

یہاں اس نے اپنے اطراف ہر وہ چیز جمع کرلی جس کی ایک خانہ بدوش کو آرزو ہوتی ہے۔ یہاں ہواؤں کے جھکڑ جھاڑ دیتے تھے۔ ہر وقت کالی ریت اڑتی رہتی تھی۔ گارے اور پھونس کی جھونپڑیاں اس بے ترتیبی سے تھیں کہ کسی سڑک کا تصور ہی باقی نہ رہتا۔ وسیع اصطبلوں میں گھوڑوں کے ریوڑ جاڑوں کا موسم گزارتے تھے۔ کھلیان بھرے ہوئے تھے۔ مسافروں اور سفیروں کے لیے سرائیں بنی ہوئی تھیں۔ پتھر کی مسجدیں بھی تھیں، بدھ مت کے مندر بھی اور عیسائیوں کے چھوٹے چھوٹے لکڑی کے بنے ہوئے گرجے بھی۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ وہ جس طرح چاہے عبادت کرے لیکن شرط یہ تھی کہ وہ ''یاسا'' کے قوانین کی پابندی کرے۔

سیاحوں اور مسافروں کو سرحد پر ہی روک لیا جاتا تھا۔ مغل افسر انہیں رہبروں کے ساتھ قراقرم بھیج دیتے۔ جب یہ مسافر خان کے شہر کے نواح میں پہنچتے اور شہر کے قریب چرتے ہوئے ریوڑ اور بے شجر میدان نظر آتے تو ان کی حفاظت کی ذمے داری ایک افسر کے سپرد کی جاتی۔ ان مسافروں کو ایک بڑے دیکھتے ہوئے الاؤ کے پاس سے گزارا جاتا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر آنے والوں میں سے کسی پر بھوت پریت کا سایہ ہے تو وہ آگ سے جل کر راکھ ہوجائے گا۔ اس کے بعد انہیں سرائے میں ٹھہرا دیا جاتا اور اگر خان کی اجازت مل جاتی تو انہیں اس مغل فاتح کے سامنے حاضر ہونے کا موقع ملتا۔ مسافروں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنے ساتھ تحفے لائیں۔

غرض یہ ایک ایسی دنیا تھی جو ''یاسا'' کے قانون کے مطابق چل رہی تھی اور جہاں صرف چنگیز خان کا حکم چلتا تھا۔ سارا کاروبار فوجی تھا۔ وسط ایشیا کے ترک قبیلے جو تبت کی برف پوش چوٹیوں سے روس کی چراگاہوں تک پھیلے ہوئے تھے، اب خان کے باج گزار تھے۔

☆☆☆☆

''دنیا بھر میں سب سے زیادہ لطف کس بات میں آتا ہے۔'' ایک دن چنگیز خان نے اپنے محافظ دستے کے ایک سپاہی سے پوچھا۔

''کھلا میدان ہو۔ روز روشن ہو اور آدمی گھوڑے پر سوار ہو اور ہاتھ میں شہباز بیٹھا ہو جو خرگوش کو چوکنا کردے۔'' بوڑھے سردار نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا یہ جواب اس کے خان کو خوش کردے گا لیکن چنگیز خان نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''نہیں۔ اپنے دشمنوں کو کچلنا۔ انہیں اپنے قدموں میں گرتے دیکھنا۔ ان کے گھوڑے اور ان کے سامان چھیننا۔ ان کی عورتوں کا۔۔۔ نالہ وبکا سننا۔ اس سے زیادہ اور کسی چیز میں لطف نہیں۔''

اس بوڑھے سردار نے اپنے اردگرد نظر ڈالی۔ چین سے لے کر بحر جند تک ایک ہی آقا کی حکومت ہے۔ امن وامان کی ایک دبیز چادر، گہرے بادل کی طرح ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی ہے لیکن بوڑھا چنگیز خان اس انتظامی عروج سے مطمئن نہیں۔

وہ واقعی مطمئن نہیں تھا۔ فتح کرنے کے لیے اس کے پاس اب کوئی علاقہ نہیں تھا جہاں تک اس کا علاقہ تھا۔ اس سے آگے پیچ در پیچ کوہستانی سلسلہ تھا۔ پہاڑوں کی اس طرف کی دنیا سے وہ بے خبر تھا۔

موسم سرما میں شکار سے لطف اندوز ہونا اب اسے پسند نہیں تھا۔ شاید یہ وجہ ہو کہ انسانوں کا شکار اتنا کھیلا تھا کہ اب جانوروں کے شکار سے رغبت ہی نہ رہی ہو۔

اس کی سلطنت کی حدیں مشرقی ایشیا تک محدود تھیں۔

اس نے ابھی مغرب کی سرحدوں کی طرف پہاڑوں کی چھتوں پر چڑھ کر دوسری طرف نہیں جھانکا تھا۔ لیکن قراقرم کی شہرت ان پہاڑوں کو پار کر چکی تھی۔ مغرب کی آبادیوں سے تجارتی قافلے، سلسلہ کوہ کی اس فصیل کو عبور کر کے قراقرم پہنچنے لگے تھے۔ جہاں وہ اپنے مال کی منہ مانگی قیمت وصول کرتے تھے۔ یہ اپنے ساتھ آب دار تلواریں، بہترین زنجیر دار زرہیں، سفید کپڑے اور سرخ چمڑے، عنبر اور ہاتھی دانت، فیروزے اور لعل لاتے تھے۔

ان تاجروں کی زبانی چنگیز کو معلوم ہوا کہ سلسلہ کوہ کے اس پار ایسی شاداب وادیاں ہیں جہاں کبھی برف باری نہیں ہوتی۔ وہاں ایسے دریا ہیں جو کبھی منجمد نہیں ہوتے۔ لاکھوں مخلوق ایسے شہروں میں رہتی ہے جو قراقرم اور ین کنگ سے بھی زیادہ پرانے ہیں۔

اسے ان شہروں اور دریاؤں نے تو زیادہ متاثر نہیں کیا لیکن وسط ایشیا کے اس پار کی مسلمان قوموں کی مصنوعات کی خصوصاً ان کے ہتھیاروں نے اسے بہت متاثر کیا۔ وہ سوچ رہا تھا اگر اس کی مسلمان رعایا مغرب میں تجارتی قافلے لے کر جائے تو وہاں کی نادر اشیا تک اس کی دسترس ہو جائے گی۔ اب تک یہ خانہ بدوش تجارت سے دور رہے تھے لیکن چنگیز خان تجارت میں دلچسپی لے رہا تھا۔

اسے معلوم ہوا کہ مغرب میں اس کا قریب ترین ہمسایہ خوارزم شاہ ہے جس نے خود ایک بہت بڑی سلطنت فتح کی ہے۔ چنگیز خان نے خوارزم شاہ کے نام یہ پیغام بھیجا۔

''میں تجھے پیام تہنیت بھیجتا ہوں۔ میں تیری طاقت اور تیری سلطنت کی عظمت سے آگاہ ہوں۔ میں تجھے اپنا عزیز فرزند سمجھتا ہوں۔ تجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے چین اور بہت سی ترک قوموں کو فتح کیا ہے۔ میرا ملک سپاہیوں کی خیمہ گاہ ہے، چاندی کی کان ہے اور مجھے نئے علاقوں کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں کا برابر کا فائدہ اسی میں ہے کہ میری اور تیری رعایا کے درمیان تجارت کے تعلقات بڑھائے جائیں۔''

خان نے دو مسلمان قاصدوں کو اس پیغام کے ساتھ علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کے پاس بھیجا۔ وہ اپنے ساتھ بیش قیمت تحفے بھی لے کر آئے تھے۔

خوارزم شاہ نے ان تحفوں کو قبول کیا۔ پیغام پڑھا لیکن ابھی تک وہ چنگیز خان کے نام اور کارناموں سے ناواقف تھا لہٰذا اسے یہ بات عجیب سی لگی کہ ایک اجنبی خانہ بدوش اسے ''فرزند'' کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔ یہ لقب تو اپنے باج گزاروں کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ تو کیا اسے اپنی طاقت پر اتنا گھمنڈ ہے۔''

''چنگیز خان ہے کون؟ کیا اس نے چین کو سچ مچ فتح کر لیا ہے؟''

قاصدوں نے اس کی تصدیق کی۔

''کیا اس کی فوجیں میری فوجوں کی طرح کثیر ہیں؟''

قاصد مسلمان تھے، مغل نہیں تھے کہ چنگیز کی فوجوں کا مبالغہ آمیز نقشہ کھینچتے۔ ان سے یہ سوال ایک مسلمان بادشاہ پوچھ رہا تھا لہٰذا انہوں نے اس کی تشفی کے لیے صرف اتنا کہا۔

''خان کے لشکر کا اور اس کے لشکر کا.... کوئی مقابلہ نہیں۔''

شاہ خوارزم مطمئن ہو گیا اور اس نے سامان تجارت کا مبادلہ منظور کر لیا۔ ایک پروانہ لکھ کر شاہی مہر ثبت کی اور قاصدوں کے حوالے کیا۔ جواب میں اس نے بھی کئی قیمتی تحائف چنگیز خان کی خدمت میں روانہ کیے۔

خان کے تجارتی قافلے قراقرم سے چلتے اور کوہستانی سلسلوں کو پار کر کے مسلمان علاقوں میں پہنچ جاتے۔ سمرقند، بخارا، بغداد تک یہ تجارتی حلقہ وسیع ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی خان کی شہرت مسلم ممالک تک پہنچنے لگی۔

اس نفع بخش تجارت کو ایک سال گزر چکا تھا کہ ایک روز خان کے کچھ افسر ایک مسلمان قاصد کو پکڑ کر اس کے روبرو لائے جس کا دعویٰ تھا کہ وہ خلیفہ بغداد کا ایک پیغام چنگیز خان کے نام لے کر آیا ہے۔ اس کی تلاشی کے دوران کوئی کاغذ برآمد نہیں ہوا تو سرحدی افسروں کو شک ہوا۔ قاصد کا اصرار تھا کہ وہ خان کے روبرو پیغام ظاہر کرے گا۔

چنگیز خان اپنے سفید سمور کے ایک اونچے شامیانے میں بیٹھا تھا۔ اس کی چوکی کے نیچے بائیں جانب اس کی بیوی بورتائی بیٹھی تھی۔ اس کا بوتا قبلائی خان بھی موجود تھا جسے وہ بہت عزیز رکھتا تھا۔ مسلمان قاصد اس کے سامنے ایک قیدی کی طرح پیش کیا گیا۔ مترجم بلائے گئے تاکہ اس کی بات سنی اور سمجھی جا سکے۔ قاصد نے خان کے سامنے بھی یہی کہا کہ خلیفہ بغداد نے اسے قاصد بنا کر بھیجا ہے۔ وہ خوارزم شاہ کے ظلم وستم سے تنگ آ چکا ہے اور آپ کی مدد کا طالب ہے۔

''تو اگر سچا ہے تو اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پیغام مجھے دکھا۔'' چنگیز خان نے کہا۔

''آپ کسی حجام کو بلائیں تاکہ وہ میرے سر کے بال مونڈھ سکے۔''

''پیغام کا تیرے سر کے بالوں سے کیا واسطہ۔ کیوں بہانے بناتا ہے۔''

''بغداد سے قراقرم تک آنے کے لیے شاہ خوارزم کے علاقے سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس لیے احتیاط کے طور پر میرے بال مونڈھ کر گنجے سر پر آتشیں قلم سے پیغام لکھ دیا گیا تھا۔ پھر بال بڑھ گئے۔ اب بال اتروا کر وہ پیغام آپ خود ملاحظہ کر سکتے ہیں۔''

خان اس انوکھی ترکیب پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ بہرحال اس نے ایک حجام کو بلوالیا۔ سر پر واقعی پیغام لکھا ہوا تھا جس میں خلیفہ بغداد نے شاہ خوارزم کے خلاف لشکر کشی میں اس کی مدد چاہی تھی۔

''کیا تمہارے خلیفہ کو یہ معلوم نہیں کہ شاہ خوارزم اور ہمارے درمیان معاہدہ ہے۔ ہم خانہ بدوش زبان کے بہت پکے ہوتے ہیں۔ جب تک شاہ خوارزم خود اس معاہدے کو نہیں توڑتا ہم اس کے خلاف لشکر کشی نہیں کر سکتے۔ شاہ خوارزم خود بھی خانہ بدوشوں کی نسل سے ہے۔ وہ بھی اپنی زبان پر قائم رہے گا۔ اپنے خلیفہ سے کہنا، اس معاملے سے وہ خود ہی نمٹے۔''

چنگیز خان نے اتنی وضاحت سے انکار کیا تھا کہ اب قاصد کے پاس کوئی جواب نہیں تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ اسے اپنے بال بڑھنے تک قراقرم ہی میں رہنا تھا۔ اسے سرائے میں پہنچا دیا گیا۔

حالات اپنی روش پر چل رہے تھے۔ تجارتی قافلے امن وسلامتی کی شاہراہ سے گزر کر شاہ خوارزم کے علاقے تک پہنچ رہے تھے کہ اچانک حالات نے پلٹا کھایا۔ شاہ کے ایک قلعہ دار نے قراقرم کے کئی سوتاجروں کے ایک قافلے کو گرفتار کرلیا۔ قلعہ دار نے شاہ خوارزم کو اطلاع بھیجی کہ تاجروں میں کئی جاسوس تھے۔

شاہ خوارزم نے قلعہ دار کو لکھا کہ تاجروں کو قتل کر دیا جائے چنانچہ تمام تاجر قتل کر دیے گئے۔ جب یہ قافلہ بہت دن تک قراقرم واپس نہیں آیا تو خان کو فکر ہوئی۔ اس کے مخبروں نے اسے اطلاع پہنچائی کہ تاجر قتل کر دیے گئے ہیں۔

چنگیز خان کے غیظ وغضب نے صحراؤں کی ریت کو جھلسا دیا۔ ''میں اس قتل کا بدلہ ضرور لوں گا۔'' اس نے اسی غضب کے عالم میں شاہ خوارزم کو یہ پیغام بھیجا۔

''تو نے جنگ کا انتخاب کیا ہے۔ اب جو ہونا ہے وہ ہوگا۔ اور کیا ہوگا؟ ہمیں معلوم نہیں۔ صرف خدا کو معلوم ہے۔''

اس نے خلیفہ بغداد کی درخواست کو درخور اعتنا نہیں سمجھا تھا لیکن حالات کی آندھی خود بہ خود اسے جنگ کے قریب لے آئی تھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تجارت کے بہانے اس نے ان علاقوں سے واقفیت چاہی ہو۔ ان قافلوں کے ذریعے اس نے اپنے جاسوس بھیجنے شروع کر دیے ہوں جو پکڑ لیے گئے اور قتل ہوگئے ہوں۔ حقیقت کچھ ہو، یہ بھی حقیقت تھی کہ اب وہ جنگ کے لیے کمربستہ ہو چکا تھا۔ ان علاقوں کی شان وشوکت، دولت وثروت دیکھ کر وہ للچانے لگا تھا۔ حُبِ اقتدار اسے ایشیا تک لے جانے کے لیے بے تاب تھی۔

دارالسلام کے قلب میں علاؤالدین محمد خوارزم شاہ امیر جنگ کی حیثیت سے متمکن تھا۔ اس کی سلطنت ہندوستان سے بغداد تک، بحیرہ خوارزم سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلجوق ترکوں کے سوا سب پر اس کی حکومت مسلم تھی۔ شہنشاہ وہی تھا، باقی سب جگہ اسکے خلیفہ سرگرم تھے۔

اس کی چار لاکھ نبرد آزما فوج کا قلب خوارزمی ترکوں پر مشتمل تھا لیکن وہ جب چاہتا ایران سے بھی فوج طلب کرسکتا تھا۔ وہ جہاں جاتا قطار در قطار اونٹوں اور مسلح غلاموں کے جم غفیر صف در صف اس کے ہم رکاب رہتے۔

اس کی سلطنت کی شان بڑے بڑے شہروں کی وہ کڑی تھی جو دریاؤں کے کنارے پھیلی ہوئی تھی۔ بخارا جو اپنے مدرسوں اور اپنی مساجد کی وجہ سے دنیائے اسلام کا مرکز تھا۔ سمرقند جو اپنی بلند وبالا دیواروں اور باغوں اور تفریح گاہوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ بلخ، ہرات، خراسان ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ نمونہ روزگار تھا۔

چنگیز خان کی صحرائی سلطنت میں سوار گشت کرتے پھر رہے تھے۔ منادی ہو رہی تھی کہ شاہ خوارزم سے جنگ کا طبل بج چکا ہے۔ سپاہی اپنے اپنے جھنڈوں تلے جمع ہوجائیں۔ سرداروں کی مشاورت ہو رہی تھی۔ کوہساروں میں جاسوس بھیج دیے گئے تھے۔ تیر بنائے جارہے تھے۔ تلواروں کو صیقل دی جارہی تھی۔ گھوڑوں کو کئی کئی میل دوڑایا جارہا تھا۔

فوج کشی سے پہلے چنگیز خان کے سامنے دو مسئلے تھے جن کا حل اسے ڈھونڈنا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ایک طویل عرصے تک اسے اپنی سلطنت سے دور رہنا ہوگا۔ اس کی غیر موجودگی میں اگر کوئی طالع آزما بغاوت پر آمادہ ہوگیا تو اس سے کس طرح نمٹا جائے گا۔ یہ مسئلہ اسے پریشان کیے ہوئے تھا۔ وہ کئی دن سے اکیلا پہاڑ پر چلا جاتا تھا۔ وہاں بیٹھ کر غور کرتا تھا۔ چین کی طرف سے تو وہ مطمئن تھا کہ اس کا امیر جنگ مقولی بہادر وہاں موجود تھا لیکن دیگر مفتوحہ علاقوں کی طرف سے وہ فکرمند تھا۔

ایک دن وہ پہاڑ سے نیچے آیا تو اس کا بوڑھا چہرہ شاداب تھا۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے واپس آ کر ایسے صاحب خاندان اور ملک گیری کی ہوس رکھنے والے معززین کی فہرست بنائی جن سے اس کو اندیشہ تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں شورشیں برپا کریں گے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک مغل قاصد کے ذریعے چاندی کی تختی پر لشکر میں حاضر ہونے کا حکم نامہ بھیجا۔ اس کی چالاکی نے یہ ترکیب نکالی تھی کہ ایسے تمام افراد کو وہ اپنے ساتھ سلطنت سے باہر یورش کے لیے لے جائے گا اور اپنے ساتھ رکھے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ ڈھائی لاکھ فوج کثیر کو کس طرح جھیل بیکال سے وسط ایشیا کے اونچے کہساروں کے اس پار پہنچایا جائے گا۔ اس کا تیز ذہن ہر مسئلے کا حل نکال لیتا تھا۔ اس نے اس کا بھی حل نکال لیا۔

اسے کچھ نہیں تو دو ہزار میل کا سفر طے کرنا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ اس کی فوج دنیا میں ہر جگہ پہنچ سکتی ہے۔ اس نے اسی اعتماد کے ساتھ 1219ء کے موسم بہار میں جنوب مغرب کی ایک ندی کے کنارے کی چراگاہوں میں اپنے لشکر کو جمع کرنے کا حکم صادر کیا۔

یہاں مختلف سپہ سالاروں کی سرکردگی میں اس کے تومان اکٹھے ہوئے۔ مویشیوں کے بڑے بڑے گلے چراگاہوں میں ہانک دیے گئے۔ خان کا سب سے چھوٹا بیٹا سپہ سالار کا عہدہ سنبھالنے کے لیے آ گیا۔ پت جھڑ کا موسم تھا کہ چنگیز خان قراقرم سے آ گیا۔

اپنے بیٹوں اور خانوں اور مختلف سرداروں سے مشاورت کرنے کے بعد وہ اپنے لشکر کے مختلف دستوں کا معائنہ کرنے کے لیے نکلا۔ اس کی عمر اب 56 سال ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر جابہ جا جھریاں پڑ گئی تھیں۔ اس کی جلد کھنچے ہوئے چمڑے کی طرح سخت ہو گئی تھی۔ وہ اپنے تیز رفتار سفید گھوڑے کی چوٹی دار زین پر، چھوٹی چھوٹی رکابوں میں پیر جمائے، گھٹنے اٹھائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی اوپر کی طرف اٹھی ہوئی سفید سموری ٹوپی میں باز کے پر لگے ہوئے تھے۔ اس کے دونوں کانوں پر سرخ کپڑے کی جھنڈیاں لہرا رہی تھیں جیسے کسی جانور کے سینگ ہوتے ہیں۔ اس کا لمبی آستینوں والا چرمی لبادہ سونے کی پیٹیوں یا سنہری اطلس کے کمر بند سے بندھا ہوا تھا۔

وہ زیادہ بات چیت کیے بغیر آراستہ دستوں کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھتا چلا گیا۔ گھوڑے سرخ یا سیاہ منقش چمڑے کی زرہوں میں محفوظ تھے۔ ہر سپاہی کے پاس دو کمانیں تھیں اور ایک فالتو ترکش تاکہ اگر نمی زیادہ ہو تو کام آ سکے۔ ان کے خود (سر پر پہننے کی فولادی ٹوپی) ہلکے اور بڑے کارآمد تھے اور خود کے نیچے چمڑا لگا ہوا تھا جس پر لوہے کی گھنڈیاں لگی تھیں تاکہ پیچھے گردن کی حفاظت ہو سکے۔

دوسرا سایبان بہت مختصر تھا۔ دھنسی ہوئی گاڑیاں نکالنے کے لیے رسیاں تھیں۔ چمڑے کی تھیلیاں گھوڑوں کے چارے کے لیے اور سپاہی کے لیے صرف ایک پیالہ، موم اور تیروں کے پھل تیز کرنے کے لیے پتھر اور کمانوں کے لیے کچھ فالتو تانت۔ دھوئیں پر سنکا ہوا گوشت اور جمے ہوئے دودھ کے سوکھے ٹکڑے۔

اس نے اپنے لشکر کو مخاطب کیا ''میرے ساتھ چلو اور زور آزمائی سے اس شخص کو نیچا دکھاؤ جس نے ہمیں ذلیل کیا ہے۔ تم فتح میں میرے شریک ہو گے۔ دس سپاہیوں کا سردار ہو یا دس ہزار کا، سب پر اطاعت برابر فرض ہے۔ جو اپنے فرض سے غفلت کرے گا موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور اس کی عورتوں اور بچوں کا بھی یہی حشر کیا جائے گا۔''

پھر صنوبر کے ایک اونچے جھنڈ کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے کہا ''یہ جگہ ہرنوں کے شکار کے لیے اچھی ہے اور بوڑھے کے آرام کرنے کے لیے بھی مناسب ہے۔'' کچھ دیر توقف کرنے کے بعد اس نے کہا ''میری موت پر ''یاسا'' بلند آواز سے پڑھا جائے اور سب اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔''

اس سے پہلے اس نے کبھی ایسی مایوسی کی باتیں نہیں کی تھیں۔ شاید اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اب اس جنگ سے زندہ واپس نہیں آئے گا۔ وقت سے پہلے کچھ باتوں کا معلوم ہو جانا اس کی خاص صفت تھی۔

روانگی کا وقت آیا اور یہ لشکر ریوڑوں کو ہنکاتا ہوا، چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلوں میں آہستہ آہستہ گھستا چلا گیا۔ راستے میں کئی ندیاں پار کی گئیں۔ آگے آگے بیس یا اس سے زیادہ گھوڑوں کی قطار کو زین کے تسموں اور زنجیروں سے ایک ساتھ باندھ دیا جاتا۔ کبھی کبھی سواروں کو گھوڑوں کی دمیں پکڑ کر تیرنا پڑتا۔ کچھ دنوں بعد دریا جم گئے اور برف کے اوپر سے دریاؤں کو عبور کیا جانے لگا۔

لشکر کا اصلی حصہ مغرب کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ دروں اور گھاٹیوں سے اترتا ہوا، منجمد جھیلوں کو طے کرتا ہوا۔ طوفانی ہوائیں اور شدید سردی ان کا راستہ روک رہی تھی لیکن وہ بڑھتے جا رہے تھے۔ اتنی سردی تھی کہ اگر کوئی ریوڑ کسی درّے میں پھنس جاتا تو وہیں جم جاتا۔

مویشی جتنے تھے یا تو مرکھپ چکے تھے یا غذا بن چکے تھے۔ چارے کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ چھکڑے مجبوراً پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے۔ صرف کچھ سخت جان اونٹ باقی بچے تھے۔

اس طوفانی درے کے پار مغربی پہاڑوں میں پہنچ کر سپاہیوں نے درخت کاٹے اور بڑے تنوں سے تنگ پہاڑی شگافوں پر پل بنائے۔ جب غذا باقی نہ رہی تو وہ گھوڑے کی فصد کھولتے، تھوڑا سا خون پی لیتے اور پھر رگ کو ٹانک دیتے۔

پہاڑوں میں سو میل کے عرض تک پھیلے ہوئے وہ بڑھتے چلے گئے۔ جب برف پگھلنے کا زمانہ آیا تو یہ لشکر مغرب کے میدانوں میں پہنچ چکا تھا۔ دبلے پتلے گھوڑے، کوچ کے پہلے بارہ سو میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ جنگلوں کے اس پار نشیب میں انہیں دنیائے اسلام کی سرحد نظر آ رہی تھی۔ ہراول کے کچھ سوار بھیجے گئے تاکہ چوکسی کرتے رہیں۔

خوارزم شاہ مغلوں سے پہلے ہی میدان جنگ میں پہنچ چکا تھا۔ ترک فوج کو مزید تقویت پہنچانے کے لیے عرب اور ایرانی دستے بھی فراہم کر لیے تھے۔ وہ شمال کی طرف مغلوں کی تلاش میں بڑھا ہی تھا کہ اسے یہ ہراول دستے نظر آ گئے۔ یہ سمور پوش خانہ بدوش بالوں والے ٹٹوؤں پر سوار تھے۔ خوارزمیوں نے انہیں بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا۔ یہ کس توقع سے ہم سے لڑنے آئے ہیں۔ خوارزم شاہ نے ان پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ جلد ہی انہیں کچھ اور مغل نظر آئے جو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ یہ دراصل مغلوں کا چھاپا مار دستہ تھا۔ بلندیوں سے اتر کر سیحون دریا کے کنارے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں سے ریوڑ ہنکا کر لے جانا ان کا کام تھا۔ یہ برق رفتاری سے اترتے اور اپنا کام کر کے پہاڑوں میں غائب ہو جاتے۔ اگلے دن کسی اور جگہ حملہ آور ہوتے جو اس مقام سے میلوں دور ہوتا۔

کچھ دن بعد خوارزم شاہ کے جاسوسوں نے خبر دی کہ یہ چھاپا مار دستہ مغل خان کے بیٹے جوجی نے بھیجا ہے۔ وہ خود مشرق کی وادیوں کے درمیان کوچ کرتا آ رہا ہے۔

محمد شاہ خوارزم نے اپنے لشکر کا کچھ حصہ سیحون دریا کنارے چھوڑا اور خود جوجی کی سرکوبی کے لیے دریا کے منبع کی طرف پہاڑیوں میں داخل ہو گیا۔ اطلاع صحیح تھی، یہ دستے اسے نظر آ گئے۔ ان دستوں کا حال بھی یہی تھا۔ ان کے پاس نہ زنجیردار زرہیں تھیں نہ ڈھالیں۔

منظم ترک سپاہی جنگ کے لیے آراستہ ہوئے۔ نقاروں پر چوٹ پڑی۔ مغل سوار بھی مہیب انداز میں آگے بڑھے۔ ترکوں کے نیچوں کے مقابلے میں تلواریں سونتے۔

''پسپا ہو کر، اپنے پیچھے ترکوں کو مغل لشکر کے قلب کی جانب لے چلنا چاہیے۔'' ایک سپہ سالار نے جوجی کو مشورہ دیا۔

''اگر میں بھاگ گیا تو اپنے باپ کو کیا جواب دوں گا۔''

''ترکوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور پھر اس تنگ وادی میں تیراندازی کا موقع بھی ہمیں نہیں ملے گا جو ہمارا خاص طریقۂ جنگ ہے۔''

ضدی جوجی نے اپنے اس سردار کا مشورہ درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ مغل ہراول سینگوں والے پرچم اٹھائے ترکوں سے نبرد آزما تھے۔ تنگ وادی تلواروں سے نکلنے والی چنگاریوں سے بھر گئی۔ تیراندازی کا کوئی موقع ہی نہیں تھا۔ دو بدو جنگ ہو رہی تھی۔ وحشی جنگجو مغل اپنے حریفوں پر چھائے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ترکوں کے قلب میں گھس گئے۔

اسی وقت خوارزم شاہ کا ولی عہد جلال الدین خوارزم سامنے آیا۔ پستہ قد، سانولے رنگ اور چھریرے بدن کا یہ نوجوان اس خوب صورتی سے لڑا، تلوار کے ایسے کرتب دکھائے کہ مغلوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ ممکن ہے مغلوں کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑتا لیکن رات ہو گئی اور دونوں حریفوں کو الگ ہونا پڑا۔

صبح کی روشنی کے ساتھ ہی خوارزمیوں نے اپنے آپ کو اس وادی پر قابض پایا جس پر ہر طرف مقتولین کی لاشیں پڑی تھیں۔ مغل غائب تھے۔ وہ رات ہی کو کسی وقت آگ کے الاؤ روشن چھوڑ کر اپنے قلب کی طرف لوٹ گیا تھا جہاں چنگیز خان، جوجی کا منتظر تھا۔

ترک فوجوں نے میدان جنگ کا چکر کاٹ کر دیکھا تو انہیں اندازہ ہوا کہ مقتولین میں کثیر تعداد ان کے فوجیوں کی ہے۔ شاہ خوارزم کو مغلوں کی جنگی برتری کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے اونچی وادیوں میں مغلوں کی تلاش کا ارادہ ترک کر دیا اور سیحون دریا کے کنارے کے فصیل بند شہروں کی پناہ میں لوٹ آیا۔

چنگیز خان ابھی تک کسی جگہ نمودار نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو مختلف دستوں میں بانٹ دیا تھا جو کبھی بخارا میں نمودار ہوتے کبھی سمرقند میں۔ کبھی ایک دریا پر کبھی دوسرے دریا پر۔ خوارزم شاہ سیحون دریا کے عقب میں ڈیرے جمائے بیٹھا تھا لیکن اسے یہ پتا نہیں تھا کہ مغل کس طرف حرکت کر رہے ہیں۔

برف پوش وادی میں جاڑے گزرنے کے ساتھ ہی یہ علاقہ مغل شہسواروں کے لیے جنت بن گیا۔ دریا کا پاٹ چوڑا

ہوگیا۔ وہ ایک بڑے فصیل بند شہر کے نواح میں پہنچے جس کا نام خوقند تھا۔ یہ وہی دستہ تھا جس کا سامنا خوارزم شاہ سے ہو چکا تھا اور جس کی کمان جوجی کر رہا تھا۔ اس فصیل بند شہر کا کماندار تیمور ملک تھا۔ وہ ایک ہزار چیدہ سپاہیوں کے ساتھ ایک جزیرے میں خندقیں کھود کر اپنی حفاظت کر رہا تھا۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ تیمور ملک نے ساری کشتیاں دریا سے اٹھالی تھیں۔ کوئی پل بھی نہیں تھا کہ جزیرے تک جایا جاسکتا۔ آگ کے گولے اور پتھر پھینکے گئے لیکن وہ بھی جزیرے تک نہیں پہنچ رہے تھے۔

مغلوں نے قریب کے دیہات سے دیہاتیوں کو پکڑا اور انہیں پتھر ڈھونے اور سیحون دریا کے کنارے جمع کرنے کے کام پر لگادیا۔ وہ بے چارے جان کے خوف سے دن رات کام سے لگے ہوئے تھے۔ تیمور نے درجن بھر کشتیاں جوڑیں اور انہیں کھیتا ہوا ساحل تک آ گیا۔ اس کے تیر انداز مغلوں پر تیر برساتے، جواب میں ادھر سے تیر اور آگ کے گولے داغے جاتے۔

تیمور کا مقصد یہ تھا کہ مغلوں کو سڑک نہ بنانے دی جائے لیکن کئی مہینوں کی کشتیوں کی لڑائی کے باوجود دریا کے اندر سڑک بڑھتی گئی۔ جب تیمور نے دیکھا کہ اس کا جزیرے میں رہنا مشکل ہوجائے گا تو اس نے بند کشتیوں میں سپاہیوں کو سوار کیا اور جزیرہ خالی کردیا۔ مغل سوار دریا کے کنارے کنارے اس کے تعاقب میں بھاگے جارہے تھے۔ کشتیوں کا قافلہ کنارے سے بہت دوران کی نظروں کے سامنے سے گزرا جارہا تھا۔

تیمور نے اس تعاقب کو ختم کرنے کے لیے اپنی کشتیوں کو ایک ویران کنارے پر لگادیا۔ اس کا خیال تھا کہ مغل اسے یہاں نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔ چھوٹا سا محافظ دستہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے ان سب کو کنارے پر اتار دیا۔

مغلوں نے جب اپنے شکار کو دریا میں نہیں دیکھا تو وہ کنارے پر پھیل گئے اور ایک جگہ اسے ڈھونڈ نکالا۔ اس کی نظروں کے سامنے اس کا محافظ دستہ مغلوں کی تلواروں کی بھینٹ چڑھ گیا لیکن وہ اپنا ہوار سرپٹ دوڑاتا رہا اور اتنی دور نکل گیا کہ اس کے تعاقب میں صرف تین مغل رہ گئے۔ تیمور نے اپنی کمان میں تیر جوڑا اور چلتے گھوڑے سے پلٹ کر ایک مغل کو نشانہ بنایا۔ اس کی آنکھ میں تیر پیوست ہوا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔

اس نے دوڑتے دوڑتے چیخ کر کہا ''میرے ترکش میں ابھی دو تیر باقی ہیں اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔''

ان دونوں تیروں کو استعمال کرنے کا موقع نہ آیا۔ دونوں مغل اتنے ڈر گئے کہ اس کا تعاقب چھوڑ کر واپس لوٹ گئے اور وہ ولی عہد جلال الدین سے جاملا جو جنوب میں مورچہ بندی کر رہا تھا۔

خوارزم شاہ اس انتظار میں بیٹھا تھا کہ جنوب کی طرف سے نئی فوجی کمک آئے گی لیکن کمک کے بجائے دہشت انگیز خبریں آنے لگیں۔ مغلوں کا ایک دستہ ان ترک فوجوں کے قریب آ گیا تھا جو خوارزم کے راستوں کی حفاظت کر رہی تھیں۔ اب وہ ان کلیشئروں ..... کے اطراف چکر کاٹ رہا تھا جن سے دریائے آمو نکلتا تھا۔ سمرقند اس کے راستے سے دو سو میل کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ اب شاہ خوارزم اپنے دفاع کی دوسری اصلی زنجیر یعنی آمو دریا سے کٹ کر رہ جاتا۔ جس کے پاس ہی بخارا اور سمرقند کے عظیم شہر واقع تھے۔ اس نے گھبرا کر اپنی فوج کا نصف حصہ ان فصیل بند شہروں کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔

اس کے بعد چالیس ہزار جوان اس نے دریا کے قلعوں کی حفاظت کے لیے چھوڑے، تیس ہزار بخارا میں تعینات کیے اور بقیہ فوج کو لے کر سمرقند کی طرف کوچ کر گیا جہاں اس وقت سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ مغل اس کے قلعوں کو فتح نہ کرپائیں گے اور لوٹ مار کر کے واپس لوٹ جائیں گے۔ اس کا یہ اندازہ بہت جلد غلط ثابت ہوگیا۔

ابھی وہ سمرقند پہنچا بھی نہیں تھا کہ چنگیز خان کے دو بیٹے شمال میں سیحون دریا کے کنارے اترار کے شہر کے سامنے نمودار ہوگئے۔ انیل جُن اس شہر کا حاکم تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے قراقرم کے تاجروں کے قافلے کو قتل کیا تھا۔ اس کا احساسِ گناہ اسے یہ سمجھانے کے لیے کافی تھا کہ مغل اس پر ہرگز رحم نہیں کھائیں گے۔ وہ اپنے چیدہ آدمیوں کے ساتھ قلعہ بند ہوگیا اور پانچ مہینے تک محصور رہا۔ وہ آخر تک لڑتا رہا اور جب مغل اس کے آخری سپاہی تک کو قتل کر چکے تو اس نے ایک برج میں پناہ لی۔ جب تیر ختم ہوگئے تو وہ دشمنوں پر پتھر برساتا رہا۔ بالآخر زندہ گرفتار ہوگیا اور اسے چنگیز خان کے پاس بھیج دیا گیا۔ خان نے پگھلی ہوئی چاندی اس کی آنکھوں اور کانوں میں ڈلوا کے اسے قتل کیا اور اس کی ساری آبادی کو اسیر کر کے مغل اپنے ساتھ لے گئے۔

ایک فوج سیحون دریا کی طرف بڑھی اور تاشقند پر قابض ہوگئی۔ ایک تیسری فوج دریا کے چھوٹے چھوٹے قصبوں پر قبضہ کرتی چلی گئی۔ جب محافظ فوج نے جند کو خالی کردیا اور مغل کمندوں اور سیڑھیوں سے فصیلوں پر چڑھ آئے تو شہریوں نے

ہتھیار ڈال دیے۔ مغلوں نے تمام شہریوں کو شہر سے باہر نکالا اور نہایت اطمینان سے پورے شہر کو لوٹ لیا۔ قیدیوں میں سے صرف جوان اور مضبوط لوگوں کو زندہ رکھا گیا تاکہ دوسرے شہروں پر حملے کے وقت کام لیا جا سکے، باقی پوری آبادی کو تلواروں اور تیروں سے ختم کر دیا۔

عالم اسلام اس کے حملوں سے لرز رہا تھا۔ مغل فوج جس طرف سے ہو کر گزر جاتی، آبادیاں صفحۂ ہستی سے مٹ جاتیں۔ غلاموں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ ہزاروں نوجوان گھوڑوں کے پیچھے بندھے پیدل بھاگے چلے جا رہے تھے۔ جن شہروں کا حصار کیا جاتا، ان غلاموں کو یا تو آگے رکھ کر شہروں میں داخل ہوا جاتا یا لشکر کی خدمت کے کام ان سے لیے جاتے۔ جب یہ تعداد بہت بڑھ جاتی تو ان میں سے کچھ کو قتل کر دیا جاتا۔ اس طرح ان سے پیچھا چھڑا لیا جاتا، جیسے کوئی پرانے کپڑے اتار کر پھینک دیتا ہے۔

خوارزم شاہ ہر طرف سے گھر چکا تھا۔ جی نویان مشرق سے بڑھ رہا تھا۔ ادھر چنگیز خان مغرب سے طوفان کی طرح امڈا چلا آ رہا تھا۔ اس حالت میں شاہ نے اپنی فوج تقسیم کر کے کچھ بخارا بھیجی اور کچھ دوسرے علاقوں میں۔ کچھ کو خ میں اور قندز پر تعینات کیا۔ صرف اپنے دربار کے امرا، ہاتھیوں اور اونٹوں اور محافظ سپاہیوں کے ساتھ بخارا کی طرف نکل گیا۔ اس کا خزانہ اور حرم بھی اس کے ساتھ تھا۔ مغل دستے سیحون دریا کے کنارے قتل و غارت گری کر رہے تھے۔ قصبوں کو آگ لگا رہے تھے اور ان کی آڑ میں چنگیز خان کی اصل فوجیں حرکت کر رہی تھیں۔ لوگوں کو تو اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے اسے بخارا کے نزدیک دیکھا۔ اس کے سامنے اسلامی قوت کا مرکز، مدرسوں کا شہر بخارا تھا۔ اس کے اطراف ایک طویل فصیل تھی۔ اس کے درمیان ایک خوش نما نہر بہتی تھی جس کے کنارے باغ اور دلکش قصر تھے۔ بیس ہزار ترکوں کا ایک دستہ اور ایرانیوں کا ایک جم غفیر اس کی حفاظت کر رہا تھا۔

شہر میں یہ خبر بجلی بن کر آگ کی طرح گری کہ چنگیز خان اپنے قلب لشکر کے ساتھ بہ نفس نفیس فصیل کے باہر موجود ہے۔ وہ مہینوں سے سن رہے تھے کہ مغل جس شہر میں جاتے ہیں، اس کی آبادی کو قتل کر دیتے ہیں۔ اس وقت وہ سخت تذبذب کے عالم میں تھے کہ کیا کریں۔ خوارزم شاہ یہاں آیا ضرور تھا لیکن اب کسی اور طرف نکل گیا تھا۔ اس پر مزید آفت یہ ہوئی کہ ترک افسروں نے شہریوں کو ان کی قسمت پر چھوڑا اور خود خوارزم شاہ سے جا ملنے کے لیے راتوں رات دروازے سے باہر نکل کر آمو دریا کی سمت کوچ کر گئے۔ مغلوں نے اپنے سپاہی ان کے تعاقب میں روانہ کر دیے۔ جنہوں نے آمو دریا کے کنارے انہیں جا لیا اور سارے کے سارے ترک موت کے گھاٹ اتار دیے۔

اب شہریوں کے پاس کوئی سہارا نہیں رہا تھا۔ اپنے بادشاہ اور فوج پر انہیں اعتماد نہیں رہا تھا۔ کئی دن تک شہریوں کے بزرگوں، قاضیوں اور اماموں نے مشورت کی اور ایک وفد کی صورت میں چنگیز خان کے پاس گئے۔ شہر کی کنجیاں اس کے سپرد کیں اور شہریوں کی جاں بخشی کا اس سے وعدہ لے لیا۔

مغل سوار سیل بے پناہ کی صورت شہر کی سڑکوں پر امڈ آئے۔ غلے کے گوداموں کو لوٹنا شروع کیا۔ کتب خانوں کو اپنے گھوڑوں کا... اصطبل بنایا۔ شہری بے بسی سے نایاب کتابوں کو گھوڑوں کے سموں کے نیچے روندے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

چنگیز خان اپنے سفید گھوڑے پر سوار سب سے آخر میں شہر میں داخل ہوا اور جامع مسجد کے سامنے پہنچ کر اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔

''شہنشاہ کا گھر یہی ہے؟'' اس نے لوگوں سے پوچھا۔

''یہ اللہ کا گھر ہے'' اسے جواب ملا۔

اس نے نہایت رعونت سے لوگوں کی طرف دیکھا اور زینوں پر گھوڑا دوڑاتا ہوا مسجد کے اندر پہنچا اور گھوڑے سے اتر کر مسجد کے منبر پر چڑھ گیا اور علما فضلا جو وہاں موجود تھے ان سے خطاب کیا۔

''میں اس جگہ محض اس لیے آیا ہوں کہ تم سے یہ کہوں کہ میری فوج کے غلے اور چارے کا انتظام کرو۔ آس پاس کی زمینوں میں غلہ اور چارہ بالکل نہیں لہٰذا فوراً اپنے ذخیرے کھول دو۔''

اب اس سے یہ کون کہتا کہ اس کی فوج پہلے ہی غلے کے گوداموں پر قابض ہو چکی ہے۔

چنگیز خان مسجد سے شہر کے چوک میں گیا۔ جہاں خطیب، فلسفے اور فقہ کا درس عوام الناس کو دیا کرتے تھے۔ اس نے یہاں بھی خطاب کیا۔ ''تم نے یہ اچھا کیا کہ میری فوج کے لیے غلہ فراہم کر دیا۔ اب میرے سرداروں کے سامنے تمام زر و جواہر پیش کر دو۔ تم نے کہیں نہ کہیں چھپا رکھے ہوں گے۔ تمہارے مکانوں میں جو کچھ کھلا ہوا رکھا ہے، اس کی فکر نہ کرو وہ ہم خود نکال لیں گے۔''

اس خطاب کے ختم ہوتے ہی اس کے فوجی گھروں میں گھس گئے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کو گھسیٹتے ہوئے شہر کے باہر لے گئے اور پھر لوٹ مار شروع ہو گئی۔ جب تمام دولت

تہہ خانوں کنوؤں اور زمینوں کو کھود کھود کر نکالی جا چکی تو شہر میں آگ لگا دی گئی۔ چنگیز خان خود تو خوارزم شاہ کی تلاش میں بخارا سے کوچ کر گیا لیکن اپنے پیچھے جلتے ہوئے شعلوں کا کثیف دھواں چھوڑ گیا جو کئی مہینوں تک سورج کو اپنے غلاف میں چھپائے رہا۔

بخارا کے جو شہری قتل ہونے سے بچ گئے تھے اور قیدی بنا لیے گئے تھے، وہ لشکر کے ساتھ سمرقند کی طرف جا رہے تھے۔ پیدل تھے، بھوکے پیاسے تھے۔ کپڑے تار تار ہو گئے تھے۔ جب کوئی قیدی بھاگتے بھاگتے تھک جاتا تو اس پر کوڑے برسائے جاتے۔

سمرقند خوارزم شاہ کے شہروں میں سب سے زیادہ مستحکم تھا۔ اسے مزید مستحکم کرنے کے لیے پرانی فصیل کے باہر شاہ خوارزم نے نئی فصیل کی تعمیر شروع کرا دی تھی لیکن مغل اس تیزی سے شہروں کی قطار کو فتح کرتے ہوئے سمرقند کے سامنے پہنچ گئے کہ نئی فصیل کی تعمیر کا کام رک گیا۔

پرانی فصیل خود بہت مضبوط تھی۔ بارہ آہنی دروازے اور دروازوں کے دونوں جانب برج تھے۔ ایک لاکھ دس ہزار ایرانی اور ترک فوجی یہاں متعین تھے۔

ان فوجیوں نے دور سے مغل لشکر کو آتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے قیدیوں کے جم غفیر کو بھی مغل لشکر کا حصہ سمجھا حالانکہ مغلوں کی تعداد ترک فوجیوں سے کم تھی۔

مغل لشکر نے فصیل سے ہٹ کر آموں کے ایک باغ میں پڑاؤ ڈالا۔ جاسوسوں نے گھوم پھر کر فصیل کی مضبوطی کا اندازہ لگایا۔ کہیں کوئی ایسا کمزور حصہ نظر نہیں آیا جہاں سے شہر میں داخل ہوا جا سکے۔

''یہ خوارزمیوں کا آخری بڑا شہر ہے۔ یہ لوگ اپنی تمام طاقت یہاں خرچ کر دیں گے۔'' چنگیز خان نے اپنے لشکر کو مخاطب کیا ''جب تک غذا باقی رہتی ہے۔ یہ لوگ ضرور اپنی مدافعت کریں گے لہٰذا ہمیں ایک طویل محاصرے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔''

محاصرے کی تیاری شروع ہو گئی۔ بخارا کے قیدیوں کو زبردستی کام پر لگا دیا گیا۔ مغل فوجی آموں کے باغ میں دور دور تک مورچے لگا کر بیٹھ گئے۔ کبھی کبھی دونوں طرف سے تیروں کا تبادلہ ہوتا اور پھر خاموشی چھا جاتی۔

رات آئی تو الاؤ روشن ہو گئے۔ ایک مغل نے یکتارے پر کوئی نغمہ چھیڑا اور مختلف شہروں سے گرفتار کی ہوئی رقاصاؤں کو حکم ہوا کہ وہ رقص کریں۔

رات بھر یہ فوجی راگ رنگ میں مشغول رہے اور مشعلوں کی روشنی میں بخارا کے قیدی پتھر ڈھوتے اور فصیل پر کلہاڑیاں برساتے رہے۔

کئی دن اسی عالم میں گزر گئے۔ ترک فوجیوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو وہ فصیل سے باہر نکل آئے۔ مغلوں نے حسب عادت چھپ کر حملہ کیا۔ وہ ایسی جگہ تھے جسے درختوں نے گھیرا ہوا تھا جبکہ ترک فوجی میدان میں نکل آئے تھے۔ انہیں اس حملے میں بھاری جانی نقصان اٹھا کر دوبارہ فصیل میں جانا پڑا۔

اس لشکر نے انہیں بالکل ہی مرعوب کر دیا۔ مغل چھپے ہوئے تھے لہٰذا ان کی صحیح تعداد کا اندازہ اب بھی نہ ہو سکا۔ ترک یہی سمجھتے رہے کہ بہت بڑا لشکر ان پر حملہ آور ہوا ہے جس سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

چنگیز خان کا اندازہ اب بھی یہی تھا کہ یہ چھوٹی جھڑپیں چلتی رہیں گی اور ہمیں طویل عرصے تک محاصرہ کرنا پڑے گا لیکن ترکوں کے غلط اندازوں نے اس کے اندازوں کو غلط ثابت کر دیا۔ ایک دن شہر کے قاضی اور امام مغلوں کے پاس آئے اور شہر ان کے حوالے کر دیا۔ تیس ہزار ترک فوجی اپنی مرضی سے مغلوں سے جا ملے۔ چنگیز خان نے گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا۔ انہیں مغل وردیاں دے کر اپنی فوج میں شامل کر لیا گیا ''اب تم ہماری طرف سے لڑو گے۔''

اس کے بعد شہر کا وہی حشر ہوا جو وہ دوسرے شہروں کا کرتا چلا آیا تھا۔ صناع اور کاریگر پکڑ کر لائے گئے۔ مضبوط نوجوانوں کو مشقت کے کام کے لیے رکھ لیا گیا۔

ابھی دو دن بھی نہیں گزرے تھے کہ ان تیس ہزار ترکوں کو طلب کیا گیا جو چنگیز سے مل گئے تھے۔ وہ نہایت جذبے اور جوش کے ساتھ اس کے روبرو یہ سوچ کر آئے کہ شاید انہیں کسی محاذ پر بھیجا جا رہا ہے۔

خان نے ان کی طرف نہایت حقارت سے دیکھا۔ ''تم نے اپنے پہلے مالک سے غداری کی تو میں تم۔۔۔ پر کیسے بھروسا کر لوں۔ تم لڑتے لڑتے مر جاتے تو میری نظروں میں تمہاری زیادہ عزت ہوتی۔ اب یہ عزت میں تمہیں اس طرح بخش سکتا ہوں کہ تم سب کو قتل کرا دوں۔''

اس کی زبان سے ابھی یہ الفاظ پوری طرح ادا بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس کے وفادار فوجیوں نے قتل عام شروع کر دیا۔ تیس منٹ سے کم وقت میں تیس ہزار فوجیوں کے سر زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

اس کی ساری خوشی اس وقت ڈھیر ہو گئی جب اسے یہ معلوم ہوا کہ خوارزم شاہ شہر چھوڑ کر جنوب کی طرف نکل گیا ہے۔ اسے اس علاقے کو تہ و بالا کرتے ہوئے ایک سال ہو گیا

تھا۔ لاکھوں بے گناہ اس کی تلوار سے آشنا ہو چکے تھے لیکن شہنشاہ سے اس کی مڈبھیڑ اب تک نہیں ہو سکی تھی۔ وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ تمام خان اس کے اردگرد کھڑے تھے۔ ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ آنکھ اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔

انتقام سے بوجھل اس کی آواز ابھری۔ ''دنیا بھر میں محمد خوارزم شاہ جدھر کا رخ کرے ادھر اس کا تعاقب کرو۔ زندہ ہو یا مردہ اسے حاصل ضرور کرو۔ جو شہر ہتھیار ڈال دیں اور اپنے دروازے کھول دیں، انہیں تباہ نہ کرنا مگر جن جن قلعوں سے مدافعت کی جائے انہیں حملہ کر کے فتح کرنا۔''

اس نے اپنے سب سے زیادہ نڈر اور خونخوار سرداروں جبی نویان اور سوبدائی بہادر کو طلب کیا اور تعاقب کا یہ کام ان کے سپرد کیا۔ انہیں بھی یہی نصیحت کی۔ ''اب مجھے خوارزم شاہ سے غرض ہے اس کے علاقوں سے نہیں۔ میں اسے اپنے قدموں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

یہ عجیب طرح کا تعاقب تھا۔ ہزاروں میل میں پھیلی ہوئی درجن بھر سلطنتوں میں ایک ایسے شخص کا تعاقب کیا جانا تھا جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔

یہ دونوں خان صرف بیس ہزار فوج کو ساتھ لے کر جنوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ خیال یہی تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے پاس جنوب کی طرف نکل گیا ہوگا۔

☆☆☆

قدم قدم پر خطرے ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے۔ شاہ خوارزم اپنے محافظ دستے کے ہمراہ اپنے حرم اور خزانوں کو ساتھ لے کر پناہ گاہ کی تلاش میں سمرقند سے نکلا اور ویرانوں کی راہ پکڑ لی۔ فصیل بند شہروں میں سے بیشتر پر مغلوں کا قبضہ تھا۔ اپنے ہی دروازے اس پر بند ہو چکے تھے۔ وہ آبادیوں سے دور دریاؤں کے کنارے کنارے چلا جا رہا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا جلال الدین شمال میں جنگجو قبیلوں میں سے ایک نئی فوج بھرتی کر رہا ہے لیکن چنگیز کی فوجیں بخارا میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اپنے بیٹے سے اس کا اتصال ممکن نہیں تھا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ مغل فوجی اس کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اس نے تیزی سے اپنا رخ بلخ کی طرف موڑ دیا۔ یہ شہر افغانستان کے سربلند کہساروں کے سرے پر واقع تھا۔ اسے یقین تھا کہ مغل وہاں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ بلخ پہنچ گیا۔ لیکن برابر خبریں پہنچ رہی تھیں کہ مغلوں نے اس کا سراغ لگا لیا ہے۔ وہ بلخ ضرور پہنچیں گے۔ تھکے ہوئے اس بادشاہ نے نہایت عجلت میں یہ شہر بھی چھوڑ دیا۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ افغانستان چلا جائے جہاں جنگجو قبائل اس کا راستہ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھیوں نے اس کی مخالفت کی۔ اس کا اعتماد اس بری طرح مجروح ہوا تھا کہ اپنی رائے پر جم جانے کا حوصلہ ہی باقی نہیں رہا تھا۔ اس نے ارادہ بدل دیا اور مغرب کا رخ کیا۔ اس کے گھوڑے ایک ویران سرزمین کو پار کر رہے تھے جہاں دور دور تک گھاس اور پانی کا نام و نشان نہیں تھا لیکن وہ مطمئن تھا کہ مغل اس سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

جبی نویان اور سوبدائی برابر اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ ہر قدم پر فاصلہ کم سے کم ہوتا جا رہا تھا۔ ایسا بھرپور تعاقب تاریخ نے کم ہی دیکھا ہوگا۔ ہر سپاہی کے پاس کئی کئی گھوڑے تھے۔ دن بھر میں وہ کئی بار تازہ دم گھوڑے بدل رہے تھے۔ وہ ان تازہ دم گھوڑوں کی پیٹھ پر دن بھر میں اسی میل کا فاصلہ طے کر رہے تھے۔ صرف مغرب کے وقت وہ پکا ہوا کھانا کھانے کے لیے اترتے تھے۔

ان دونوں سورماؤں کو جیحوں کے کنارے ایک مضبوط قلعہ بند شہر ملا جو دریا کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ مغلوں نے ایک نظر دریا پر ڈالی اور اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔ دریا عبور کیا ہی تھا کہ ہراول سپاہیوں سے انہیں اطلاع ملی کہ شہنشاہ بلخ کو خالی کر کے بھاگ گیا ہے۔ انہوں نے اس شہر کو چھوڑا اور وقت ضائع کیے بغیر مغرب کا رخ کیا مگر اس ہوشیار چال کے ساتھ کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تاکہ فاصلے سے چلیں تو گھوڑوں کو زیادہ گھاس مل سکے۔ صحرا کے ختم پر انہیں مرو کے گلستان اور اس شہر کی سفید فصیلیں نظر آئیں۔ وہ وہاں رک گئے اور ہراول دستے کو آگے بھیجا۔

اس کا اطمینان کر کے کہ شاہ اس شہر میں نہیں، انہوں نے نیشاپور کی طرف اپنے راہواروں کے رخ پھیر دیے۔

شاہ خوارزم نیشاپور پہنچ چکا تھا۔ اسے تھکن اتارتے ہوئے دو ہفتے ہوئے تھے کہ مغلوں کی آمد کی وحشت ناک خبریں آنے لگیں۔

وہ اتنا خوف زدہ ہوا کہ شکار کے بہانے یہاں سے بھی نکل گیا۔ دراصل اس کی فوجیں یا تو کٹ چکی تھیں یا اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھیں۔ وہ تھوڑے سے محافظ دستوں کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور برابر اس کوشش میں تھا کہ تنگ کر کہیں رہنے کا موقع ملے تو وہ نئی فوجیں بھرتی کرے اور اپنے علاقوں کا دفاع کرے لیکن مغل اسے کہیں رہنے نہیں دے رہے تھے۔

وہ نیشاپور سے نکل چکا تھا کہ مغلوں نے اس کی تلاش میں شہر کے دروازوں پر دستک دی۔ قلعوں کے دروازے بند

کر لیے گئے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ فصیلوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے لیکن انہیں تو اس وقت شہنشاہ سے غرض تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ محاصرے میں اتنا وقت ضائع ہو جائے کہ شہنشاہ ان سے بہت دور نکل جائے۔

وہ ایک مرتبہ پھر شکار کا راستہ سونگھتے ہوئے ان راستوں پر ہو لیے جس سے ہو کر قافلے بحرِ خزر کے کنارے جاتے تھے۔ وہ قدموں کے نشان دیکھتے چلے جا رہے تھے۔ وہ شاہ کو ڈھونڈ رہے تھے لیکن ایک اور کامیابی انہیں میسر آ گئی۔ انہیں راستے میں ایسے ترک فوجی ملے جو مغلوں کے خوف سے اس علاقے میں آ کر چھپ گئے تھے۔

اب وہ پھر الگ الگ راستوں پر آ کر چل پڑے۔ سوبدائی شمالی پہاڑی علاقوں کی طرف بڑھ گیا اور جبی نویان جنوب کے صحراؤں میں دوڑنے لگا۔ یہ علاقہ شاہ خوارزم کی سلطنت سے باہر تھا۔

شاہ خوارزم نے اس مرتبہ کہیں رکنے کے بجائے بغداد جانے کا ارادہ کیا۔ اس نے اپنے حرم اور خزانے کو کہیں اور بھیج دیا اور خود چند سو ساتھیوں کے ساتھ اس شاہراہ پر چل پڑا جو بغداد جاتی تھی۔

ابھی وہ ہمدان کے قریب پہنچا تھا کہ اس نے اپنے عقب میں مغلوں کا طوفان امڈتے ہوئے دیکھا۔ چند سو آدمی کس شمار میں تھے۔ کچھ خود بھاگ گئے کچھ کچل ڈالے گئے۔ بھاگتے ہوئے شاہ پر بھی تیر چلائے گئے لیکن اس کی قسمت تھی کہ مغلوں نے اسے پہچانا نہیں اور وہ بچ کر نکل گیا۔ اب محافظ دستے کے چند سپاہیوں اور افسروں کے سوا کوئی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ ان سپاہیوں کی طرف سے اسے شک تھا کہ وہ اس سے متنفر ہو گئے ہیں اس کے ساتھ بھاگتے بھاگتے تھک گئے ہیں اور اب اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔

رات آئی اور ایک ویرانے میں خیمے لگا دیے گئے۔ اسے اپنے محافظوں پر اعتماد نہیں رہا تھا لہٰذا وہ شاہی خیمے میں سونے کے بجائے ایک دوسرے چھوٹے خیمے میں سو گیا۔ اس کا شک اس وقت حقیقت میں بدل گیا جب صبح اٹھ کر اس نے اپنے خیمے کو دیکھا۔ خالی شاہی خیمہ تیروں سے چھد اپڑا تھا۔

''کیا اس دنیا میں کوئی ایسا مقام ہے جہاں میں مغلوں کے عذاب سے محفوظ رہ سکوں۔'' اس نے اپنے ایک افسر سے نہایت مایوسی کے عالم میں پوچھا۔

''اب ایک ہی صورت ہے۔'' اس افسر نے کہا۔ ''کشتی پر سوار ہو کے بحیرہ خزر کے کسی جزیرے میں روپوش ہو جائیں اور اس وقت تک وہاں چھپے رہیں جب تک شہزادہ عالی ایک طاقت ور فوج لے کر آپ کے پاس نہ آ جائیں۔''

وہ جانتا تھا کہ یہ موقع شاید اب کبھی نہ آئے لیکن اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی۔ اب وہ اپنے محافظوں پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے محافظوں کو فارغ کیا جیسے کوئی اپنے ہتھیار دشمن کے آگے رکھ دے۔ اس افسر نے اسے ایک کشتی میں سوار کرا دیا۔ وہ پہاڑوں اور گھاٹیوں سے ہوتا ہوا مغربی ساحل پر ایک چھوٹے سے پرامن قصبے میں پہنچ گیا۔ یہاں زیادہ تر ماہی گیروں اور تاجروں کی آبادی تھی۔

اس بستی میں کوئی اسے نہیں جانتا تھا۔ کسی نے دیکھا بھی تو یہی سمجھا کہ کوئی بیمار بوڑھا کسی طرف سے نکل آیا ہے۔ اس کا تخت چھن چکا تھا۔ تاج اتر گیا تھا۔ جسم پر نہ شاہی لباس تھا، نہ دربار تھا، نہ ساقی و خدام۔ کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا کہ بستی میں کون آیا اور کس طرف گم ہو گیا لیکن دماغ میں بادشاہت کی خو بھی۔ جب وہ بادشاہ تھا تو نہایت تزک و احتشام سے شہر کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھنے جایا کرتا تھا۔ جس دن سے ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا، مسجدیں بھی اس سے چھن گئی تھیں۔ یہاں وہ روپوشی کے دن گزار رہا تھا۔ لوگ اس کے حال سے ناواقف تھے۔ ایک جمعے کو وہ قصبے کی مسجد میں نماز پڑھنے چلا گیا۔ اسے بیشتر لوگ نہیں جانتے تھے لیکن ایک دو نے اسے پہچان بھی لیا۔

''یہ تو بادشاہ سلامت ہیں۔''

''پاگل ہو گئے ہو وہ اور اس حلیے میں؟''

''جب بادشاہت چھن گئی تو کوئی بھی حلیہ ہو جائے۔''

''ہاتھی مر کے بھی سوا لاکھ کا رہتا ہے۔ اس شخص میں تو بادشاہوں والی کوئی بات ہی نہیں۔''

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک اور نمازی آ گیا۔ اس نے بھی اسے پہچان لیا تھا ''یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ شخص کوئی عام آدمی نہیں علاؤ الدین شاہ خوارزم ہے۔''

''مگر وہ یہاں کہاں۔''

''تم نے سنا نہیں؟ چنگیز خان نام کا ایک آدمی ان دنوں بخارا اور سمرقند میں دندناتا پھر رہا ہے۔ اس کی فوجیں چپے چپے پر بادشاہ کو ڈھونڈتی پھر رہی ہیں۔ یہ ان سے چھپ کر یہاں آ گیا ہے۔''

''بے چارہ بادشاہ۔''

''آخر ہمارا بادشاہ ہے۔ اور مسلمان ہے۔ کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ بادشاہ ہمارے قصبے میں ہے۔''

''یوں چپ ہو جاؤ جیسے ہم نے اسے پہچانا ہی نہیں ہے۔''

ایک شخص بہت دیر سے یہ باتیں سن رہا تھا۔ خوارزم شاہ

سے اسے دلی پُرخاش تھی یا انعام کا لالچ کہ وہ خوارزم شاہ کی تلاش میں مسجد سے نکلا اور بالآ خراس تک پہنچ گیا۔ اس وقت تو اس نے کچھ نہیں کہا لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح مغلوں تک اس کا پتانشان پہنچا دیا۔

مغل اس وقت پہاڑوں میں اسے تلاش کر رہے تھے کہ ایک مسلمان ماہی گیران تک پہنچا اور تفصیل سے اس کے متعلق سب کچھ بتادیا۔ مغلوں نے پہاڑوں کو خیر باد کہا اور اس قصبے میں آ گئے جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ پھر اس کی قسمت نے اسے بچالیا۔ ایک ماہی گیر نے مغلوں کو اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے خوارزم شاہ کو خبر دار کیا اور اپنی کشتی دریا میں اتار دی۔

مغل اسے تلاش کرتے رہے اور وہ کسی گم نام جزیرے میں پہنچ گیا لیکن اتنا شدید بیمار تھا کہ کشتی سے اتر کر چلنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ اسے کچھ لوگوں نے اٹھا کر ریت پر ڈال دیا۔

مصیبتوں نے اس کا بدن چور چور کر دیا تھا۔ جن آسائشوں کا وہ عادی تھا، وہ ایک ایک کر کے اس سے چھن گئی تھیں۔ بیمار پڑنے کی عادت نہیں تھی اب جو بیمار پڑا تو ہر تعاقب سے آزاد ہوگیا۔ ایک ہی دن میں اس جہان سے رخصت ہوگیا۔ وہ بھی اس حالت میں اس کے اس ماہی گیر نے اپنا کرتا اس کا کفن بنایا اور اس کی لاش کو ریت میں دفنا دیا۔

چنگیز خان کے دونوں سردار جو شاہ خوارزم کی تلاش میں زمین ناپ رہے تھے اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ بادشاہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ مشرق کی طرف بھاگ گیا۔ یہی پیغام انہوں نے چنگیز خان کو پہنچا دیا۔

چنگیز خان نے اندازہ لگایا کہ وہ اپنے دارالسلطنت اورگنج میں اپنے بیٹے کے پاس گیا ہوگا۔ اس نے ایک لشکر بہ عجلت اس طرف روانہ کر دیا تاکہ شاہ کو شہر میں داخل ہونے سے پہلے گرفتار کیا جاسکے۔

سوبدائی بہادر چراگاہوں میں سردیاں گزار رہا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد جنوب کا رخ کر کے ان شہروں کا محاصرہ اور تسخیر کر کے جن کے قریب سے وہ خوارزم شاہ کے تعاقب کے وقت گزرے تھے، مغلوں نے پھر شمال کا رخ کیا اور تفقفار میں داخل ہوگئے۔ سنگین دروں میں پہاڑ کاٹ کاٹ کر اپنے لیے راستہ بنایا اور سکندر اعظم کے آہنی دروازے سے ہو کر نکلے۔

شمال کی طرف ابھی وہ ڈھلوان اتر رہے تھے کہ پہاڑی قوموں کے ایک لشکر نے انہیں گھیر لیا۔ مغل عجیب کش مکش میں تھے۔ پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتے تھے اور ان سے لڑنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا جبکہ وہ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ بہر حال یہ جنگ کرنی پڑی۔ مغلوں نے انہیں روس کی سرزمین کی طرف دھکیل دیا۔ وہ روس تک پہنچ چکے تھے کہ چنگیز خان کا حکم آیا کہ وہ مہم ختم کر کے اس سے ملیں۔ دونوں خانوں نے واپسی کے لیے گھوڑے موڑ لیے۔ اب انہیں چنگیز خان تک پہنچنے کے لیے مشرق کی طرف دو ہزار میل کا سفر طے کرنا تھا۔

☆☆☆

خان کے دو بیٹے جوجی اور تولی، شاہ کی تلاش میں مشرق کی طرف چلے اور اس سمندر تک جا پہنچے جو چاروں طرف خشکی سے گھرا ہوا تھا اور جسے بحیرہ خوارزم کہتے تھے۔ ان کے باپ نے اس اطلاع پر انہیں بھیجا تھا کہ شاہ جزیرے سے بھاگ کر مشرقی سمت آیا ہے۔ لیکن یہاں آ کر انہیں معلوم ہوا کہ وہ تو مر بھی چکا ہے اور دفن بھی ہو چکا ہے۔

مغلوں نے مرحوم شاہ کو ڈھونڈنے میں دو سال لگا دیے تھے۔ اس دوران میں وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے ہر بڑے شہر میں گئے تھے اور جس طرف گئے تھے انسانیت کو نیست و نابود کرتے ہوئے گئے تھے۔ مرحوم شاہ اپنے دارالسلطنت میں تک کر بیٹھا ہی نہیں تھا، اس لیے ''اورگنج'' ابھی تک تاراج ہونے سے بچا ہوا تھا۔ اب جبکہ وہ مر چکا تھا، ان دونوں مغل شہزادوں نے یہی طے کیا کہ اس کے آبائی شہر میں گھس پڑیں۔ وہ دریائے جیحوں کے کنارے کے راستے سے اورگنج کے سامنے جا کر کھڑے ہوگئے فصیلیں بند تھیں۔ موت کا سناٹا طاری تھا۔ منجنیقیں ساتھ تھیں جن کے ذریعے بڑے بڑے پتھر پھینک کر فصیلوں کو نقصان پہنچایا جا سکتا تھا لیکن یہ ایسا علاقہ تھا کہ بڑے پتھر دور تک نہیں تھے۔ محاصرہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ آخر یہ ترکیب نکالی گئی کہ بڑے بڑے درخت کاٹ کر ان کے تنے دریا میں ڈال دیے گئے اور جب وہ بھیگ کر بھاری ہوگئے تو انہیں منجنیقوں میں رکھ کر فصیلوں کو نشانہ بنایا گیا۔ آخر ایک جگہ سے دیوار ٹوٹ گئی۔ اندر جو بچی کھچی فوج تھی اس نے نہایت جم کر مقابلہ کیا کیونکہ شاہ کا فرزند جلال الدین اندر موجود تھا جو فوجوں کا دل بڑھا رہا تھا۔ طاقت ور مغل لشکر جس لڑائی کا فیصلہ ایک دن میں کر لیتا، اسے شہر کے اندر داخل ہونے میں ایک ہفتہ لگ گیا۔ اس کے بعد شہریوں کا وہی حشر ہوا جو مغلوں کے ہاتھوں ہر شہر کے شہریوں کا ہو چکا تھا۔ تنومند نوجوان قیدی بنا لیے گئے۔ شہر کو جی بھر کے لوٹا لیکن اس لوٹ مار میں جلال الدین خوارزمی بھیس بدل کر شہر سے نکل گیا۔

گرمیوں کے دن آ گئے تھے۔ چنگیز خان نے تشبیع

میدانوں سے اپنی فوجیں ہٹالیں۔ گھوڑوں کو چراگاہیں اور لشکریوں کو شکارگاہیں مل گئیں۔ چنگیز کے دونوں بیٹے اورگنج میں لوٹ مار کرنے کے بعد قیدیوں اور مال غنیمت کے ساتھ اس سے آملے۔ چنگیز خان نے اپنی فوجوں کو مشغول رکھنے کے لیے شکار کا حکم نافذ کردیا۔ اب شاید شکار کے لیے انسان نہیں بچے تھے کہ جانوروں کا شکار شروع ہوگیا۔

ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا پہاڑیوں میں کئی سو میل کا چکر کاٹ کر شکار کے لیے دیکھ بھال کر آیا۔ مختلف دستوں کے جھنڈے نصب کردیے گئے کہ کون کہاں سے آگے بڑھے گا۔

خان کی سواری آئی۔ بڑے بڑے سپہ سالار، شہزادے اور خان کے پوتے آگئے۔ باجوں اور قرناؤں نے شور مچایا اور شکاریوں کو شکار پر جھپٹنے کا حکم ملا۔ گھوڑے آگے بڑھے۔ سپاہیوں نے جانوروں کو ہانک لگائی۔ وہ جھاڑیوں کو کچلتے ہوئے گھاٹیوں کو چھانتے ہوئے اور پہاڑیوں پر چڑھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ کبھی ایک طرف سے نعروں کی آواز آتی کبھی دوسری طرف سے۔ کبھی کوئی شیر جھاڑی سے نکل کر بھاگتا کبھی کوئی بھیڑیا۔

بوڑھا چنگیز خان کبھی ایک جگہ نمودار ہوتا، کبھی دوسری جگہ۔ سپاہیوں کے تیور دیکھتا۔ افسران سے ملاقاتیں کرتا۔ جب تمام جانور نرغے میں آگئے تو رسم کے مطابق سب سے پہلے چنگیز خان ایک ہاتھ میں ننگی تلوار دوسرے ہاتھ میں کمان لیے نرغے میں داخل ہوا۔ اس نے ایک شیر کو تیروں سے مارا اور بھیڑیوں کے ٹکڑے تلواروں سے اڑادیے۔

جب وہ درجن بھر سے بھی زیادہ وحشی درندے مار چکا تو حلقے سے باہر نکل آیا اور ایک پہاڑی پر چڑھ کر شہزادے اور سپہ سالاروں کو شکار کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔

شکار کھیلتے ہوئے چار مہینے بسر ہوگئے تھے۔ موسم خوش گوار ہونے لگا تھا۔ اس عرصے میں اسے کئی اہم معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ اس کے جاسوسوں نے خبریں بھیجی تھیں کہ اب سارا عالم اسلام اس کے مقابلے کے لیے مسلح ہورہا ہے۔ سلطان خوارزم کی موت کے بعد مسلمان رعایا اپنے قدرتی رہنماؤں ایرانی شہزادوں اور سیدوں کے جھنڈے تلے مقابلے لیے جمع ہورہی تھی۔

وہ خوف زدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن احتیاط اسی میں تھی کہ لڑنے بھڑنے کے قابل مردوں کا عظیم الشان قتل عام کردیا جائے۔ اس نے اپنے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ شکار کا خون منہ سے لگا ہوا تھا۔ یہ لوگ ہانکا لگاتے ہوئے آگے بڑھتے گئے اور سارے خراسان میں پھیل گئے۔ دہقانوں کو اپنے آگے رکھا۔ انسانیت لرز رہی تھی۔ ہر طرف ویرانی طاری تھی جیسے آدم خور درندوں نے بستیوں کا رخ کرلیا ہو۔ دیہات صفحۂ ہستی سے مٹ گئے اور ''مرو'' سامنے آگیا۔ یہ شہر بیابان کا لعل سمجھا جاتا تھا۔ دریائے مرغاب کے کنارے آباد یہ شہر بادشاہوں کی تفریح گاہ تھا۔

چنگیز خان کے سب سے چھوٹے بیٹے تولی کی سپہ سالاری میں مغل فوجوں نے محاصرہ مکمل کرلیا تھا۔ اس محاصرے میں چنگیز خان کے اپنے محافظ دستے کے ایک ہزار چنے ہوئے مغل مارے گئے۔ یہ سانحہ ایسا تھا کہ تولی کا غیظ وغضب اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ اکیس دن کی سخت لڑائی کے بعد شہریوں کی قوتِ مدافعت جواب دے گئی۔ قلعہ دار چاندی کے ظروف اور لبادوں کے بیش بہا تحفے لے کر مغلوں کے خیموں میں پہنچ گیا۔

تولی نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا اور جاں بخشی کا وعدہ کیا ''آپ میرے ساتھ ضیافت میں شریک ہوں۔''

''یہ میرے لیے اعزاز ہوگا۔''

''اس اعزاز میں اپنے دوستوں کو بھی شریک کیجیے۔ آپ اپنے چنے ہوئے ساتھیوں کو بھی بلوالیں۔ میں انہیں اعزاز ومنصب پیش کروں گا۔''

قلعہ دار نے اپنے معزز دوستوں کو بھی بلوالیا۔ تولی نے ان افراد کا بھی ویسا ہی استقبال کیا اور اس وقت تک بیٹھا نہیں جب تک سب بیٹھ نہیں گئے۔

''مجھے اپنے شہر کے امیر ترین آدمیوں کی فہرست بنا کر دیجیے تاکہ میں ان کے ناموں سے واقف ہوسکوں اور آپ کے ساتھ جب شہر میں داخل ہوں تو ان لوگوں سے ملاقات کرسکوں۔''

''ہم ساتھ ہی تو ہوں گے۔ آپ ان سے ملنے کیوں جائیں۔ وہ آپ سے ملنے آئیں گے۔''

''پھر بھی ایک فہرست میرے سامنے ہو تو اچھا ہے۔''

انہوں نے نہایت فرمانبرداری کے ساتھ چھ سو آدمیوں کی فہرست بنا کر اسے پیش کردی۔ اس میں زمینداروں، تاجروں اور متمول لوگوں کے نام شامل تھے۔

تولی نے یہ فہرست اپنے پاس رکھی اور کچھ لوگوں کو اندر بلایا۔ قلعہ دار یہ سمجھا کہ اب وہ اپنے نوکروں کو بلا رہا ہے تاکہ ان سے ضیافت کے انتظام کے لیے کہے۔ پھر اس نے دہشت کے عالم میں یہ دیکھا کہ اندر آنے والے مغلوں نے اس کے ساتھیوں کے گلے گھونٹ دیے اور پھر کئی ہاتھ اس کے گلے کی طرف بڑھ گئے۔

تولی کا ایک افسر اس فہرست کو لے کر مرو کے قلعے کے

دروازے پر گیا اور قلعے دار کی لکھی ہوئی فہرست دکھا کر ان افراد کو طلب کیا۔ قلعے دار کے دستخط موجود تھے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان چھ سو افراد کو اس افسر کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ انہیں لے کر مغلوں کے خیموں کے پاس آیا۔ ان سب کو حراست میں لے لیا گیا۔

مغلوں نے قلعے کے دروازے پر قبضہ کر کے مرو کی گلیوں کو آباد کر دیا۔ سوار دستے ہر طرف پھیل گئے۔ اعلان ہوتا رہا کہ تمام باشندے اہل وعیال سمیت شہر سے نکل کر میدان میں جمع ہو جائیں۔ چار دن تک شہر خالی ہوتا رہا۔

تولی، کھلے میدان میں ایک سنہرے تخت پر بیٹھا تھا۔ ایرانی فوجی افسر اس کے سامنے پیش ہوتے رہے اور اپنے سروں سے محروم ہوتے رہے۔ جب سروں کے ڈھیر لگ گئے۔ بے جان جسموں سے خون بہنا بند ہو گیا تو رعایا میں شامل تمام مردوں کو زمین پر لیٹ جانے کا حکم ملا اس طرح کہ ان کے ہاتھ پشت سے بندھے ہوئے تھے۔ اس مجمع کو مغلوں میں تقسیم کر دیا گیا جو ان کے ٹکڑے کرتے رہے۔ صرف چار سو کاریگر زندہ بچے جن کی مغلوں کو ضرورت تھی۔ بچے غلام بنا کر رکھے گئے۔ عورتیں تقسیم ہو گئیں۔

جب مکانوں کو غارت کر کے دیواریں زمین برابر کر دی گئیں اور تولی نے اپنے گھوڑے کی باگ موڑی تو اس شہر میں ایک انسان بھی ایسا نہیں تھا جو زندہ بچ کر کہیں چھپ گیا ہو۔

اس حیلے بہانے سے اس نے دیگر شہر بھی فتح کر لیے اور انہیں بھی لاشوں سے بھر دیا۔ کہیں ایسا بھی کیا کہ دریاؤں پر بند باندھ کر راستہ اس طرح بدلا کہ آبادیوں کی آبادیاں سیلاب کی زد میں آ کر ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئیں۔

لاشوں کی اس بستی میں اہل اسلام کا ایک حقیقی سردار زندہ تھا۔ جلال الدین خوارزم شاہ لیکن عالم اسلام کا قلب مسمار ہو چکا تھا۔ وہ اکیلا یہ صلاحیت رکھتا تھا کہ دنیا بھر کے منتشر مسلمانوں کو یک جا کر کے مقابلے کے لیے لے آئے لیکن مغلوں کے ہراول دستے اس طرح اس کا تعاقب کر رہے تھے کہ اسے سرحد ہی سرحد پر رہنا پڑ رہا تھا۔ اتنا موقع ہی نہیں مل رہا تھا کہ کوئی بڑی فوج جمع کر سکے۔

خوارزم شاہ کی تمام دولت یا تو گولی پہنچ چکی تھی یا قلب لشکر کے خیموں کے سائے میں پڑی رہتی تھی۔ چنگیز خان کوہ ہندوکش کی شجر پوش بلندیوں پر آرام فرما تھا۔ اس کے ہراول دستے امن وامان قائم کیے ہوئے تھے اور خود اس کے سامنے مفتوحہ علاقوں میں نظم ونسق کا مسئلہ تھا، انتظامی معاملات تھے۔ مشرق ومغرب کے درمیان نئی شاہراہیں کھولنے کے احکام صادر ہو چکے تھے۔

☆☆☆

جلال الدین خوارزم شاہ مشرق میں فوجیں جمع کر رہا تھا۔ ہراول دستوں کو جیسے ہی یہ اطلاع ملی انہوں نے گھوڑے دوڑائے اور چنگیز خان کے سامنے پہنچ گئے۔ اسی وقت یہ خبر بھی پہنچ گئی کہ ہرات میں بغاوت ہو گئی ہے۔

چنگیز نے اپنے چھوٹے بیٹے تولی کو خراسان کی طرف روانہ کیا کہ وہ ہرات کی بغاوت کو تختی سے کچل دے اور خود ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ جلال الدین کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔

اس کا قلب لشکر چیدہ سواروں پر مشتمل تھا اور پھر چنگیز خان خود اس کی سپہ سالاری کر رہا تھا۔ سپاہیوں کا جوش وجذبہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کے گھوڑے ہوا سے باتیں کر رہے تھے۔ ہر منزل پر نئے قاصد اسے جلال الدین کی تیاریوں سے آگاہ کر رہے تھے۔ یہ خبر اسے راستے ہی میں ملی کہ ایک افغان فوج جلال الدین کے ساتھ آ ملی ہے۔ جس سے اس کی قوت دوگنی ہو گئی ہے۔

راستے میں بامیان کہساروں میں بامیان کا مسلح شہر تھا۔ جسے فتح کیے بغیر آگے بڑھنا ناممکن تھا۔ چنگیز خان خود اس کا محاصرہ کرنے کے لیے ٹھہر گیا اور اپنی فوج کا بڑا حصہ ایک اور خان کی سرکردگی میں جلال الدین سے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔

چنگیز خان نے نہایت غیظ کے عالم میں شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین نے اس علاقے کو پتھروں سے صاف کر دیا تھا تاکہ مغل انہیں اپنی منجنیقوں میں استعمال نہ کر پائیں۔ قیدی ساتھ نہیں تھے کہ دور دور سے پتھر منگوائے جا سکیں۔ وہ ساز وسامان بھی ساتھ نہیں تھا جن کے ساتھ اب تک مغل لڑتے آئے تھے۔

مغلوں نے اپنے دفاع کے لیے فصیلوں کے سامنے لکڑی کے برج بنا لیے جن کے پیچھے چھپ کر وہ تیر اندازی کر رہے تھے۔ ان کی یہ ترکیب اس وقت ناکام ہو گئی جب قلعے کی فصیلوں سے ایسے تیر سر ہونے لگے جن میں روغن نفت لگا ہوا تھا۔ یہ تیر لکڑی کے تختوں پر لگتے ہی تختے آگ پکڑ لیتے تھے۔ چنگیز خان نے فوراً حکم دیا کہ مویشیوں کو کاٹا جائے۔ کسی کی یہ ہمت تو تھی نہیں کہ کوئی سوال کرتا۔ مویشی کٹ گئے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیوں کاٹے گئے ہیں۔ یہ عقدہ اس وقت کھل گیا جب ان مویشیوں کی کھالیں اتروا کر چنگیز نے حکم دیا کہ ان بھیگی ہوئی کھالوں کو ان لکڑی کے برجوں پر منڈھ دیا جائے۔

محاصرہ ابھی جاری تھا کہ قاصدوں نے ایک بری خبر پہنچائی ''ترکوں اور افغانوں نے مغل لشکر کو شکست دے کر پہاڑوں پر دھکیل دیا۔''

''شکست اور بھوری آنکھوں والے مغلوں کو!'' چنگیز خان دہاڑا ''آخری حملہ کیا جائے۔''

اس کا مطلب یہ تھا کہ جب تک قلعہ سر نہ ہو جائے حملہ جاری رہے۔ اس نے اپنے سر سے خود (لوہے کی ٹوپ) اتار کر دور پھینک دی اور خود سپاہیوں کی صفوں میں گھستا ہوا اس دستے کی رہنمائی کے لیے جا پہنچا جو قلعے کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک جگہ قلعے کی فصیل میں شگاف تھا۔ یہاں مغلوں کے قدم جم گئے اور بہت جلد بامیان پر قبضہ ہو گیا۔

چنگیز کا جلال آج اپنے عروج پر تھا۔ جلال الدین کے ہاتھوں مغلوں کی شکست نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا۔ اب تک وہ غارت گری کا حکم دیتا تھا۔ بامیان کی بدنصیبی کہ آج خود اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور وہ شہریوں کو قتل کرتا پھر رہا تھا کسی کو امان نہیں تھا۔ یہاں تو اس نے کاریگروں کو بھی زندہ نہیں رہنے دیا۔ مسجدوں اور محلوں کو مسمار کر دیا۔ اس سے بھی دل نہیں بھرا تو پورے شہر کو آگ لگوا دی۔ وہ جلتے ہوئے شہر سے نکلا اور اپنے لشکر کو اکٹھا کر کے نکل کھڑا ہوا ''جلال الدین سے کہو، اب اسے چنگیز کی تلوار سے کوئی نہیں بچا سکتا۔''

وہ ابھی راستے میں تھا کہ خوارزمی شہزادے سے شکست کھائے ہوئے مغل دستے پہاڑوں سے ہوتے ہوئے اس کی طرف آتے دکھائی دیے۔ ان کے گھوڑے اور ہتھیار چھن چکے تھے۔ لاتعداد مغل مارے گئے تھے۔ وہ بڑی دیر تک ان سے جنگ کی تفصیلات پوچھ کر شہزادے کی قوت اور اس کی جنگی قابلیت کا اندازہ لگاتا رہا۔

''جو فوجیں جنگ میں شکست کھا چکی ہوں انہیں میدان میں لے جانا ٹھیک نہیں۔''

اس نے اس لشکر کو واپس بھیج دیا اور خود شہزادے کی تلاش میں آگے بڑھ گیا۔ اس نے انہی پہاڑوں کا رخ کیا جس طرف سے اس کے شکست خوردہ فوجی آئے تھے۔ اس میدان جنگ کا معائنہ کیا جہاں اس کے لشکر نے شکست کھائی تھی۔ پھر چند لوگوں کو خبریں لینے کے لیے آگے بھیج دیا اور خود وہیں پڑاؤ ڈال لیا۔

جلال الدین کے نئے حلیف افغان سپاہی ترکوں سے جھگڑ پڑے اور اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ اب اس کے ساتھ صرف تیس ہزار کی فوج تھی۔ وہ اب بھی ناامید نہیں تھا۔ اسے امید تھی کہ بہت جلد وہ اتنا ہی لشکر مزید جمع کر لے گا لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ چنگیز خان اس کے بالکل قریب پہنچ چکا ہے۔

ہوشیار چنگیز خان کو جیسے ہی خبر ملی اس نے اپنی فوج کا ایک حصہ افغانوں کے تعاقب میں بھیج دیا لیکن انہیں یہ ہدایت بھی دی کہ ان سے جنگ نہ کریں بلکہ صرف ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں۔

جلال الدین غزنی کے مشرق کی طرف پیچھے ہٹا لیکن اس کی نظر مغلوں پر پڑ گئی۔ اس نے تیزی سے اپنے قاصد دوڑائے کہ جنگجو افغانوں کو کسی طرح منا کر واپس لے آئے لیکن چنگیز جنگی چال نہایت کامیابی سے چل چکا تھا۔ مغل سپاہی تمام دروں پر قابض تھے اور ان کی نگرانی کر رہے تھے۔ افغانوں اور ترکوں کے درمیان مغل دیوار حائل ہو گئی۔ نئی کمک کے تمام راستے بند ہو چکے تھے۔ وہ مجبور ہو کر اپنی تیس ہزار فوج کو لے کر پہاڑیوں سے نیچے اترا اور دریائے سندھ کی وادی میں پہنچ گیا۔

چنگیز خان اس کی ایک ایک چال پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جب شکار حلقہ توڑ کر باہر نکل جائے تو اسے کس طرح قابو میں کیا جاتا ہے۔ کوئی جانور جب شکاری سے منہ موڑتا ہے تو اس کے عزائم کیا ہوتے ہیں اور وہ کس طرف جاتا ہے۔

''جلال الدین دریائے سندھ عبور کرنا چاہے گا۔'' چنگیز خان نے اپنے افسروں سے خطاب کیا ''اگر وہ دریا پار کر لیتا ہے تو اسے دہلی کے سلطان کی مدد مل سکتی ہے۔ اس کا مطلب ہوگا کہ ہم نے اسے ایک نیا محاذ کھولنے کا موقع دے دیا۔ اس وقت ہمارے پاس اتنی فوجیں بھی نہیں ہیں۔ ہمیں واپس آنا پڑے گا یا پھر سمرقند سے فوجوں کے آنے تک رکنا پڑے گا اس لیے ضروری ہے کہ جلال الدین کو دریا عبور نہ کرنے دیا جائے۔''

''ہم اسے کیسے پکڑ سکتے ہیں۔ وہ اس وقت ہم سے پانچ دن کے فاصلے پر ہے۔''

''میرے لیے کوئی کام ناممکن نہیں۔ فاصلے گھٹا دو۔ زمین کی طنابیں کھینچ دو۔ ان گھوڑوں کو میں نے دنیا کی بہترین چراگاہوں کی گھاس کھلائی ہے۔ اب ان گھوڑوں سے کام لینا تمہارا کام ہے۔''

سنسان میدان گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونجنے لگا۔ ان گھوڑوں کو جتنی تیزی سے دوڑایا جا سکتا تھا، دوڑایا جا رہا تھا۔ چنگیز خان نے صرف ایک وقت کا کھانا پکانے کے لیے گھوڑوں سے اترنے کی اجازت دی تھی لہٰذا دن دن بھر یہ

گھوڑے رکے بغیر بھاگتے رہے۔

انہوں نے جو کہا تھا کر دکھایا۔ پانچ روز کا فاصلہ نصف روز کے فاصلے میں بدل گیا۔ جلال الدین نے تیزی سے دریا کا رخ کیا اور یہ دیکھا کہ وہ جس مقام پر ہے، وہاں دریا کا بہاؤ اتنا تیز اور پانی اتنا گہرا ہے کہ دریا کو عبور نہیں کیا جا سکتا۔ دریا کے بایاب حصوں کی تلاش میں کنارے کنارے دوڑا جا سکتا تھا لیکن اب اتنا وقت نہیں رہا تھا۔ اس نے اردگرد نظر دوڑائی۔ اس کا بایاں پہلو ایک پہاڑ کے تلے محفوظ تھا اور دائیں بازو پر دریا کا موڑ اس کی حفاظت کر رہا تھا۔ اسے ایک مناسب جگہ مل گئی تھی۔ اب اس کا فرض تھا کہ یا تو اس جگہ سے فائدہ اٹھائے یا نیست و نابود ہو جائے۔ اپنی سرزمین سے نکالا ہوا یہ شہزادہ بے رحم مغلوں سے لڑنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔

''کنارے پر جتنی کشتیاں ہیں جلا دی جائیں تاکہ کسی کے دل میں بچ کر نکلنے کا خیال بھی نہ آنے پائے۔'' اس نے احکام صادر کیے۔ چند کشتیاں کنارے پر کھڑی تھیں جن کو آگ لگا دی گئی۔ کچھ دیر فضا میں شعلے بلند ہوئے، پھر دھوئیں کے بادل نے دریا کو ڈھانپ لیا اور پھر کشتیوں کے نیم سوختہ تختے پانی میں تیرنے لگے۔ میدان جنگ اللہ اکبر کے نعروں سے گونجتا رہا اور صف آرائی ہوتی رہی۔

صبح کا اجالا پھیلا تو مغل صف بستہ نظر آئے۔ چنگیز خان اور اس کا نشان اور خاقانی محافظ دستے کے دس ہزار سپاہی قلب لشکر کے پیچھے تھے۔

خوارزمی شہزادے نے پہل کی اور اس برق رفتاری سے حملہ کیا کہ مغلوں کو دریائے سندھ کے کنارے کنارے پیچھے ہٹنا پڑا۔ سیدھے ہاتھ کی طرف اونچے سنگلاخ پہاڑوں کی وجہ سے مغل رک گئے تھے۔

آریا پار برعمل کرتے ہوئے چند پہر بعد شہزادے نے مغلوں کے قلب لشکر پر دھاوا کر دیا اور مغلوں کو کاٹتا ہوا، چنگیز خان کو ڈھونڈتا ہوا ان کے قلب میں گھس گیا لیکن چنگیز وہاں تھا ہی نہیں۔ اس کا گھوڑا مارا جا چکا تھا اور وہ کسی اور گھوڑے پر سوار ہو کے کسی اور طرف چلا گیا تھا۔

اس کی بے خونی دیکھ کر اس کی فوجیں بھی قلب میں گھس آئیں۔ تلوار کی جھنکار اور زخمیوں کی چیخ و پکار کے درمیان مسلمانوں کے نعرے تیزی سے بلند ہو رہے تھے۔ مغلوں کا بھاری نقصان ہو رہا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس کچھ ہی دیر میں جنگ کا فیصلہ خوارزمیوں کے حق میں ہو جائے گا۔

چنگیز کسی جگہ سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اسے بھی یقین ہو چلا تھا کہ شکست ہونے والی ہے۔ اس نے فوراً اپنی پرانی چال چلی۔ وہ اکثر یہ کرتا تھا کہ عین جنگ کے دوران اپنا ایک دستہ فوجوں کے عقب میں پہنچا دیتا تھا۔

اس کا اشارہ پاتے ہی اس کے سپاہی دشوار گزار گھاٹیوں میں ہوتے ہوئے ناقابل عبور چٹانوں پر چڑھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ سہ پہر تک اس دستے کا بڑا حصہ چوٹی پر جا پہنچا۔ جلال الدین نے جو تھوڑے سے آدمی یہاں متعین کر رکھے تھے، ان کا صفایا کرنا مشکل نہیں تھا۔

پہاڑ کی چوٹی پر یہ کارروائی مکمل ہوئی اور خوارزمیوں کا بازو محصور ہو گیا تو چنگیز خان اپنے دس ہزار بھاری سواروں کو لے کر اپنے شکست خوردہ سپاہیوں کی مدد کو پہنچ گیا۔ یہاں سے اس نے اپنے دستوں کو موڑ کر جلال الدین کے پہلو پر حملہ کیا جو قلب میں اس کے لشکر سے لڑ رہا تھا۔ دریا کے پار جلال الدین کا جو دستہ تھا وہ اس کے اور جلال الدین کے درمیان حائل ہو گیا۔

وہ اس طرح نہایت اطمینان سے چالیں چل رہا تھا جیسے فرصت کے لمحات میں شطرنج کی بساط پر مہرے چل رہا ہو۔ اس کی ان چالوں نے آغاز ہی کو انجام بنا دیا۔

جلال الدین ناامید ہو چلا تھا لیکن اس نے آخری کوشش کے طور پر چنگیز خان کے محافظ دستوں پر بھرپور حملہ کیا اور کوشش کی کہ اپنی فوج کو دریا کے کنارے ہٹا لے۔ مغلوں نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے دستے منتشر کر دیے۔ عقب میں جو فوج پہنچ گئی تھی اس نے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اب وہ نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ صرف سات سو ساتھی زندہ بچے تھے۔ خاتمے کا وقت آ گیا تھا۔ اب لڑنا بے کار تھا۔ یہ سات سو زندہ لوگ بھی کب تک زندہ رہتے۔ اس نے اپنی زرہ اتار کر پھینک دی۔ اپنی تلوار، ایک کمان اور ترکش بھر تیر لے کر تازہ دم گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک اونچی چٹان سے گھوڑے سمیت بیچ دریا میں کود پڑا۔

چنگیز خان نے اپنے گھوڑے کو چابک لگائی اور جنگ کے میدان سے ہوتا ہوا دریا کے کنارے پہنچ گیا جہاں اس نے بیس فٹ اونچی چٹان سے شہزادے کو کودتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھی تک یہ ہوش ربا منظر زندہ تھا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے دریا کی طرف دیکھتا رہا پھر بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''وہ باپ خوش قسمت ہے جس کا بیٹا اتنا بہادر ہو۔''

چنگیز خان کے قریب کھڑے مغلوں نے اجازت چاہی کہ اس کے تعاقب میں دریا کو پار کریں لیکن چنگیز نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔

''اسے جانے دو۔''

دوسرے دن اس نے اپنے ایک خان بلانویان کو طلب کیا اور اسے کچھ فوج دے کر حکم دیا کہ دریا کو کسی پایاب مقام سے پار کرے اور جال الدین کو زندہ گرفتار کرے۔

بلانویان نے دریا پار کر کے لاہور اور ملتان کو تاراج کیا اور شہزادے کا سراغ لگا کے اس کا تعاقب بھی کیا لیکن پھر وہ دہلی جانے والے قافلوں کے ہجوم میں گم ہو گیا۔ اب وہ ایک ایسا آوارہ گرد بہادر تھا جس کا اپنا کوئی وطن نہیں تھا۔ قافلوں کے ہجوم میں اسے کون ڈھونڈ سکتا تھا جبکہ اس نے بھیس بھی بدل لیا۔ ایک تارا تھا کہ آسمان سے ٹوٹا اور خلاؤں میں گم ہو گیا۔

ملتان کی شدید گرمی نے بلانویان کو پریشان کر دیا تھا۔ گوبی کی سطح مرتفع کے باشندوں کے لیے یہ گرمی عجیب سی چیز تھی۔ وہ گرمی سے گھبرا کر واپس پلٹ گئے۔ اس طرح باقی ہندوستان مغلوں کی فتح سے بچ گیا۔

اب چنگیز خان فتوحات کی ایسی منزل پر کھڑا تھا کہ تبت سے بحرِ خزر تک کا علاقہ اس کی مملکت تھا۔ جو آبادی اس کی تلوار کی دھار سے بچ گئی تھی، فاتحوں کی غلام بن چکی تھی۔ ایک مرتبہ چنگیز خان نے کہا تھا ''میرے وارث اطلس اور کمخواب کے سنہرے کاڑھے ہوئے کپڑے پہنیں گے، خوب گوشت کھائیں گے اور شاندار گھوڑوں پر سواری کریں گے۔''

اس کی یہ پیش گوئی اس کی زندگی ہی میں پوری ہو رہی تھی۔ آدھی سے زیادہ دنیا اس کے زیرِ تصرف تھی۔ خزانوں کے ڈھیر اس کے قدموں میں تھے۔ صحرائے گوبی میں اس کے قبیلے کے بچے بیش قیمت جواہرات سے کھیلتے پھر رہے تھے۔ وہ جس طرف سے گزرا، آبادیاں حرفِ غلط کی طرح مٹ گئیں۔ جس طرف سے نہیں گزرا اس کی دھاک سے زمین لرزتی رہی۔

وہ دنیا کے بہترین حصے فتح کر کے اپنی اولادوں کو دے چکا تو اسے اپنے وطن کی یاد ستانے لگی۔ بلانویان نے جب ملتان کی گرمی کی شکایت کی تو وہ بے اختیار کہہ اٹھا۔

''میرے بیٹوں کو ایسے ملکوں اور شہروں میں رہنے کی تمنا ہو گی، مجھے تو نہیں ہے۔''

ممکن ہے وہ اپنے اس ارادے سے گریز بھی کر لیتا لیکن اس کے اپنے وطن میں اس کی ضرورت پیش آنے لگی۔ چین میں اس کا امیر جنگ مقولی بہادر وفات پا چکا تھا۔ گوبی میں وہ اپنے ایک بھائی کو گورنر بنا کر آ گیا تھا۔ اب وہاں بھی بے چینی کے آثار پیدا ہونے لگے تھے۔ ہیا کی سلطنت میں جس کا اس نے قلع قمع کر دیا تھا بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ ہیا کا علاقہ جو تبت سے سمرقند تک کے وسیع کوہستانی سلسلوں تک پھیلا ہوا تھا اس کا منتظر تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے اس نے کشمیر کی طویل وادیوں کا رخ کیا۔ اسے یقین تھا کہ اس راستے سے وہ تبت کی ڈھلانوں تک پہنچ جائے گا۔

ان وادیوں تک پہنچنے کے بعد اس نے دیکھا کہ ناقابلِ عبور پہاڑی سلسلے اس کے راستے میں حائل ہیں۔ اس نے ایک سلطنت کی معمولی سی بغاوت کو دبانے کے لیے اس قدر دشواری اٹھانا عقل مندی نہ سمجھا اور بلاپس وپیش پشاور کو تاراج کرتا ہوا 1221ء کے موسمِ خزاں میں سمرقند واپس آ گیا۔

جب مغل اردو (لشکر) جنوب کے ویرانے پیچھے چھوڑتا ہوا واپس ہوا تو چنگیز خان نے حکم نافذ کیا کہ تمام قیدیوں کا قتلِ عام کیا جائے۔ وہ ہجوم جوان خانہ بدوشوں کے ہجوم کے پیچھے پیچھے گھسٹتا چلا آ رہا تھا، ختم کر دیا گیا۔

مسلمان بادشاہوں کی حرم سراؤں کی خواتین جنہیں پکڑ کر مغل اپنے ساتھ گوبی لے جا رہے تھے، ان سے کہا گیا کہ سڑک کے کنارے اپنے ملک کو آخری بار دیکھ لیں۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ وہ بے چاریاں دیکھتیں تو کیا دیکھتیں۔

چنگیز خان کو اب محسوس ہونے لگا تھا کہ اب وہ اس دنیا میں زیادہ دن نہیں رہے گا اسی لیے وہ چاہتا تھا کہ مفتوحہ علاقوں کا نظم ونسق مکمل ہو جائے۔ یاسا کا قانون نافذ ہو جائے اور اس کے بیٹے حکومت سنبھال لیں۔

اس نے ان تمام باتوں پر غور کرنے کے لیے ایک مجلس مشاورت منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ ڈاک کی سڑکوں پر تمام سرداروں کے پاس ہرکارے پہنچ گئے کہ سیحون دریا کے کنارے اسی مقام کے قریب جہاں پہلی مرتبہ اس نے مسلمانوں کی سرحد میں پہلا قدم رکھا تھا، اس مجلس میں آ کر شریک ہوں۔

میلوں تک سبزے کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ دریا کے قریب کی دلدلوں میں مرغابیاں غوطے لگا رہی تھیں۔ اونچی اونچی گھاس میں تیتر اڑتے پھر رہے تھے۔

بہار کا آغاز تھا کہ سات میل تک پھیلے ہوئے سبزے پر شامیانے لگ گئے۔ چبوتروں پر نحکوم ملکوں سے چھینے ہوئے جھنڈے اور پرچم لہرا رہے تھے۔

مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ تبت کی ڈھلانوں سے آنے والے سرداروں کی بند گاڑیوں پر چمڑے کا سنہرا کام تھا

اور انہیں ست رو لمبے بالوں والے یاک کھینچ کر لائے تھے۔
امیر جنگ تولی اپنے ساتھ خراسان سے اونٹوں کی قطاریں لایا تھا۔ چغتائی جو برف پوش پہاڑوں پر سے ہوتا ہوا آیا تھا، اپنے ساتھ ایک لاکھ گھوڑے لایا تھا۔
اردو کے یہ سارے سردار کم خواب اور طلائی اور نقرئی جاموں میں ملبوس تھے جن پر وہ سمور کے لبادے اور بھیڑیوں کی بھوری نقرئی کھالیں اوڑھے تھے۔
دور دراز صوبوں کے سپہ سالار، گردش کرنے والے ترخان، محکوم سردار اور ایلچی بہت دور دور سے سفر کر کے آئے تھے۔ جب سب آ چکے تو تمام سردار ایک بڑے سفید شامیانے میں جمع ہوئے۔
جنوب کی طرف کے دروازے پر محافظ دستے کے سپاہی تلواریں اور ڈھالیں لیے کھڑے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ دروازہ صرف چنگیز خان کے لیے مخصوص تھا۔
اندازہ درست تھا۔ چنگیز خان اسی دروازے سے اندر داخل ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا محمد خوارزم شاہ کے تخت پر تشریف فرما ہوا جو وہ اپنے ساتھ سمرقند سے لایا تھا۔ اس تخت کے قریب ہی اس مرحوم بادشاہ کا تاج اور عصا رکھا تھا۔
جب وہ اچھی طرح بیٹھ چکا تو سرداروں نے تحفے پیش کرنے شروع کر دیے۔ اب تک یہ خانہ بدوش اجڈ اس کی خدمت میں گھوڑے، عورتیں اور ہتھیار پیش کرتے آئے تھے لیکن اس محفل میں پیش ہونے والے تحفوں کی شان ہی نرالی تھی۔ وہ بیش بہا ہیرے اور جواہرات پیش کیے جا رہے تھے جو نصف کرہ ارض کے خزانوں سے لوٹ لوٹ کر فراہم کیے گئے تھے۔

جب نذر کی رسم پوری ہو چکی تو اس کے ایک اشارہ ابرو پر ایک بوڑھی عورت کو اندر لایا گیا۔ وہ نہایت آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ جیسے مر چکی ہو۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں حالانکہ وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔
''تم لوگ شاید اس عورت کو نہ جانتے ہو۔'' اس نے کہا اور جب کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تو خود ہی بولا ''یہ خوارزم شاہ کی ماں ہے۔ اس عورت کو میں نے یہاں اس لیے بٹھایا ہے تاکہ تم دیکھ سکو کہ وعدہ خلاف بیٹوں کی ماں کا انجام کیا ہوتا ہے۔'' اس کے بعد اس نے اپنے تخت کے نیچے سے جانوروں کے بالوں کا بنا ہوا خاکی سمور کا ٹکڑا اٹھایا۔
''تم میں سے بہت سے جانتے ہوں گے کہ یہ سمور گوبی میں میری سرداری کی مسند تھا اور اب میں اس تخت پر بیٹھا ہوں۔ یہ عورت خوب جانتی ہوگی کہ یہ تخت کس کا ہے۔ اس کے بیٹے کا۔ یہ تاج چاہوں تو اسے ٹھوکر پر رکھوں، چاہوں تو سر پر رکھ لوں۔ یہ انقلاب کس طرح آ گیا۔''
اس کے بعد اس نے گزشتہ تین برسوں کی فتوحات کی داستان سنائی۔ اس نے نہایت متانت سے کہا ''یاسا کی برکت سے میں نے بہت بڑی سلطنت پر قبضہ کیا ہے۔ تم بھی اگر اس کے قوانین کی پابندی کرتے رہے تو میری سلطنت کو برقرار رکھ سکو گے۔''
اپنے تینوں بیٹوں کو، جو اس وقت موجود تھے یہ کہہ کر نصیحت کی ''آپس میں ہرگز نہ لڑنا، سب بے چون و چرا اوغدائی سے وفاداری کرنا۔'' اس کے بعد عظیم الشان فتح کا عظیم جشن ہوا۔ ہر ایک کو آزادی تھی کہ اس جشن کو جس طرح چاہے منائے۔ مغلوں کے گھوڑے دودھ کے بجائے شہد کھا رہے تھے۔ سردار، ایران کی سفید اور سرخ شرابیں پی رہے تھے۔ الاؤ دہک رہے تھے۔ رقاصائیں رقص کر رہی تھیں۔
ایک مہینے برابر جشن برپا رہا۔ جشن ختم ہوا تو چغتائی پہاڑوں پر چلا گیا، دوسرے بہت سے لوگوں نے قراقرم کا راستہ لیا۔ کچھ دنوں بعد چنگیز خان بھی اپنے پایہ تخت قراقرم کی طرف لوٹ گیا۔
ایک موسم یہاں گزارنے کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر سوار ہو کے نکل گیا۔ سوبدائی بہادر کو سنگ کی سرزمینوں کی فتح کے لیے بھیجا اور ہیا کے صحراؤں کے قبائل کی سرکوبی کا بیڑا خود اس نے اٹھایا۔ اپنے وطن گوبی جانے کی تمنا دل ہی میں رہ گئی اور اسے ایک نئے معرکے میں مشغول ہونا پڑا۔
سردیوں کے دنوں میں منجمد دلدلوں کو عبور کر کے جب وہ وہاں پہنچا تو اس کے قدیم دشمن اس سے زور آزمائی کرنے کے لیے موجود تھے۔ مغربی چین کی فوجیں، ترک اور ہیا کی تمام فوجیں سب متحد ہو کر اس کے مقابل آ گئی تھیں۔ وہ بوڑھا ہو گیا تھا مگر اس کا تجربہ جوان تھا۔ اس کے حوصلے پر شباب تھا۔ دشمن کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جو چمک آ جاتی تھی، وہ اب بھی برقرار تھی۔ اس کے کئی اہم ساتھی اس جنگ میں اس کے ساتھ نہیں تھے۔ اس کے بیٹے دور دراز کے علاقوں میں مصروف پیکار تھے۔ اس کے وفادار سپاہی جانوروں کی کھالوں کے لباس پہنے منجمد دریاؤں کی برف سے ہوتے ہوئے دشمنوں کے قلب میں گھس گئے۔ دشمنوں کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ قتل کرنے والے ہاتھ شل ہو گئے۔ مغل سردار سمجھ رہا تھا کہ یہ اس کی آخری جنگ ہے۔ اس کانٹے کے بعد ہر کانٹا نکل جائے گا۔ اس نے جنگ کو آخری جنگ کی طرح لڑا۔ قتل و غارت گری کا وہ طوفان برپا کیا کہ دریاؤں کی برف سرخ

ہوگئی۔ متحدین کے قدم اکھڑ گئے۔ سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

جنگ سے زیادہ مغلوں کو تعاقب میں لطف آتا تھا۔ جانور کی طرح ہانکا دیتے ہوئے پھر انہیں نرغے میں لیتے ہوئے۔ پھر گھیرا تنگ کرتے ہوئے پھر ان پر نیزے اور تیر برساتے ہوئے۔ انہوں نے متحدین کا بڑی دور تک پیچھا کیا۔ جو جنگ میں نہیں مرسکا تھا، بھاگتے ہوئے مارا گیا۔ البتہ ہیا کا بادشاہ بچ گیا اور ایک پہاڑی قلعے میں جا چھپا جو برف پوش چوٹیوں اور گھاٹیوں میں محفوظ تھا۔ ہیا سے اس نے اطاعت نامہ لکھ کر چنگیز کی خدمت میں بھیجا۔ چنگیز کسی کو بخشنے کا قائل نہیں تھا لیکن شاید وہ اب خود بھی تھک چکا تھا۔ اس نے ایلچیوں سے کہلا بھیجا ''جو ہو چکا سو چکا۔ میں اس کو بھول چکا۔ میں تمہیں ہمیشہ اپنا دوست سمجھوں گا۔''

قدیم چین کی سرحد کے قریب ''سنگ'' کی مملکت کا قضیہ ابھی طے نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے فتح کیے بغیر اسلامی علاقوں کی طرف چلا گیا تھا اور اسے فتح کرنے کی ذمے داری مقولی بہادر کو دی تھی۔ اس کے انتقال کے بعد اب اس نے سوبدائی بہادر کو وہاں بھیجا تھا۔ ہیا کی سلطنت کا کانٹا نکلنے کے بعد اسے سنگ کی تاراجی کا خیال آیا اور اس نے چین کی سرحد کی طرف خروج کیا جہاں سوبدائی پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔

ابھی وہ زرد دریا کو پار کر کے یورپ کی جراگاہوں میں پہنچا تھا کہ اسے اپنے بڑے بیٹے جوجی کی موت کی اطلاع ملی۔ وہ میدان جنگ سے اب تک گھوڑے کی زین سے نہیں اترا تھا لیکن اس خبر نے اسے تھکا دیا۔ اس نے قیام کے احکامات جاری کیے۔ جراگاہ میں خیمے لگ گئے۔ گھوڑوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ وہ اپنے خیمے میں چلا گیا۔ سختی سے احکامات جاری کر دیے کہ کوئی اس کے پاس نہ آئے۔

کروڑوں انسانوں کو موت کی نیند سلا دینے والا سخت دل خان، جوجی کی موت پر چھپ چھپ کر آنسو بہا رہا تھا۔ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اس کا پوتا اس کی نظروں کے سامنے مارا گیا تھا اور اس نے اپنے بیٹے اوغدائی سے کہا تھا۔ ''میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ ہرگز نہ رونا۔''

آج وہ اپنے آپ کو یہ حکم نہیں دے سکتا تھا۔ آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ باپ کا دل کیا ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس کے دل کے کسی گوشے سے یہ آواز بھی ابھری ہو کہ اس نے جتنے لوگوں کو قتل کیا، ان کا بھی کوئی باپ ہوگا۔ اسے اس خون ریزی پر جو اس نے کی تھی۔ پچھتاوا ضرور ہوا لیکن تھوڑی دیر کے لیے اس نے ہر خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ مجھے دانا وں کی دانش مندی سے کیا۔ میں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔

وہ کسی پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اسے جوجی کی موت کا صدمہ ہوا ہے۔ وہ دن بھر خاموشی سے ماتم کرنے کے بعد چپ چاپ خیمے سے باہر آ گیا اور لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔

سب کام معمول کے مطابق ہو رہا تھا۔ لشکر کوچ کرتے رہے لیکن چنگیز خان کی خاموشی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ کئی افسر گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس کے قریب آئے لیکن اس کی خاموشی کو دیکھ کر بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی، واپس پلٹ گئے۔

دورانِ سفر لشکر میں خبر آئی کہ بحیرہ خوارزم کے قریب مغلوں کو ایک اور فتح نصیب ہوئی ہے۔ اس کی خوشنودی کے لیے یہ خبر سنانے کی خاطر اس کے کئی افسر آگے بڑھے۔ اس نے نہایت بے دلی سے یہ خبر سنی۔ افسروں کو مبارک باد دی اور چپ ہو گیا جبکہ وہ ایسی خبروں پر خوشی سے جھومنے لگتا تھا۔ کرید کرید کر تفصیلات پوچھتا تھا۔ اس کے افسروں کو اس کے رویے پر حیرت ہو رہی تھی۔

اب یہ لشکر ایک گھنے صنوبروں کے جنگل سے گزر رہا تھا۔ یہاں درختوں کے گھنے سائے کی وجہ سے برف نہیں پگھلتی تھی حالانکہ سورج گرم تھا۔ سردی کی شدت کے دن گزر چکے تھے۔

''میں کچھ دیر اس گھنے جنگل میں قیام کروں گا۔'' اس نے اپنے افسروں سے کہا۔

قیام کے اشارے کے لیے جھنڈے لہرا دیے گئے۔ جو جہاں تھا اس نے سمجھ لیا کہ یہاں پڑاؤ کرنا ہے۔ سب کو حیرت تھی کہ خان کو اس مرتبہ جلدی کیوں نہیں۔ وہ تو دشمن پر جھپٹنے کے لیے بے قرار ہو جاتا تھا۔ گھوڑے کی زین سے اترنے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔

اس کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ جنگل میں خیموں کے جنگل لگ گئے۔ درختوں کے جھنڈ میں جو اس جنگل کا سب سے پرفضا مقام تھا، خان کا یورت آراستہ کر دیا گیا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ باتیں کر رہا تھا۔ جنہیں سننے کے لیے اس کے افسروں کو دوزانو ہو کر جھکنا پڑتا تھا۔

''میرے سب بیٹے مجھ سے بہت دور ہیں۔ صرف تولی ہے جو بہت جلد یہاں آ سکتا ہے۔ اسے بلاؤ۔''

قاصدوں کو تیزی سے تولی کے پاس دوڑا دیا گیا۔ اسے آنے میں کئی دن لگ گئے۔ وہ گھوڑے سے اترا اور تیزی سے باپ کے یورت میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ آگ کے قریب قالین پر سمور کے لبادوں میں لپٹا ہوا، اس کا باپ چنگیز خان لیٹا ہے۔

''کیا ہوا بابا۔ تم بیمار ہو؟ لشکر میں اتنے دید اور حکیم ہیں۔ کسی کو دکھایا۔ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''اب مجھے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کے اور تجھے چھوڑ کے یہاں سے جانا ہے۔''

''میں کسی کو بلاتا ہوں۔''

''ٹھہر جا! کسی حکیم کو مت بلا۔ میں جانتا ہوں، موت کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ بلانا ہی ہے تو لشکر کے تمام افسروں کو اپنے ساتھ لے کر آ۔ میں ان سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

جب تمام افسر آ گئے اور تولی اپنے باپ کا سر اپنی آغوش میں رکھ کر بیٹھ گیا تو بوڑھے چنگیز خان نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ یورت میں موت کی سی خاموشی طاری تھی تاکہ اس کے الفاظ سنے جا سکیں۔

وہ تولی سے مخاطب تھا ''میرے بعد مشرق کی زمینوں پر تو قابض ہونا۔ مغرب کی زمینوں پر چغتائی کی حکومت ہو اور اوغدائی کو اپنا آقا ماننا۔ وہ قراقرم میں خاقان بن کر تخت نشین ہوگا۔ اگر تم نے اس تقسیم پر عمل کیا اور آپس میں نہ جھگڑے تو پوری دنیا پر حکومت کرو گے۔''

اس کے بعد وہ افسروں سے مخاطب ہوا ''سنگ کی سلطنت کے خلاف میں جنگ شروع کر چکا ہوں لیکن اس کی تکمیل کا وقت میرے پاس نہیں ہے۔ تم یہ جنگ جاری رکھنا اور اسے تکمیل تک پہنچانا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں کبھی بند ہوتی تھیں کبھی کھلتی تھیں۔ اس کے افسر ابھی تک اس کی طرف نظر لگائے ہوئے تھے کہ شاید کچھ اور کہے۔ وہ ابھی مرا نہیں تھا۔ اس پر غشی طاری تھی۔ پھر وہ خود ہی ہوش میں آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

''ہیا کا شہنشاہ دوستی کا دعوے دار ضرور ہے لیکن وفادار نہیں۔ میں نے اسے معاف بھی کر دیا ہے لیکن میرے بعد وہ اپنے قول سے پھر جائے گا اور سرکشی اختیار کرے گا۔ میں نے اسے یہاں بلایا ہے۔ وہ آتا ہی ہوگا۔ تم پر لازم ہے کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دینا۔ اگر تم نے اس وقت ایسا نہیں کیا تو پھر ایسا موقع کبھی نہیں آئے گا اور سنو! جب تک یہ کام نہ ہو جائے میری موت کو پوشیدہ رکھنا۔''

یہ آخری ہدایت تھی جو اس نے اپنے ساتھیوں کو دی اور اپنے بیٹوں کے لیے دنیا کی سب سے بڑی سلطنت اور ایک تباہ کن فوج چھوڑ کر مر گیا۔ یہ تیرھویں صدی کا ستائیسواں سال یعنی 1227ء تھا اور اس کی عمر اس وقت 67 سال تھی۔

اس کے مرتے ہی اس کے یورت کے سامنے ایک نیزا گاڑ دیا گیا جس کی انی زمین کی طرف تھی۔ خانہ بدوشوں میں اس طرح نیزہ گاڑنے کا مطلب یہ لیا جاتا تھا کہ اس خیمے میں کوئی بیمار ہے۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی موت کو چھپانا تھا اور سب پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ خان مرا نہیں ہے بلکہ ابھی تک بیمار ہے۔

اس کے خیمے میں ہر ایک کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ صرف اعلیٰ افسران اس طرح خیمے میں جاتے اور باہر نکلتے جیسے وہ اپنے خان سے ہدایات لینے خیمے میں جا رہے ہیں۔ اس کی لاش برف میں دبا دی گئی تھی۔

ہیا کے شہنشاہ کی آمد کا انتظار تھا کہ اس کی آخری وصیت پر عمل کرنے کے بعد اس کی موت کا اعلان کر دیا جائے۔ اس عرصے میں اس کے دوسرے بیٹے بھی اپنے علاقوں سے واپس آ گئے تھے۔ چغتائی ایشیا کے اسلامی ملکوں سے آیا تھا، اوغدائی گوبی کی سطح مرتفع سے اور اس کا پوتا ہاتو جو جوجی کا بیٹا تھا روس کے میدانوں سے آئے تھے۔

ایک دن لشکر میں غل پڑا کہ ہیا کا شہنشاہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اردو (لشکر) کی طرف آ رہا ہے۔ چند مغل ایک افسر کے ساتھ لشکر سے نکلے اور ایک منزل دور اس کے استقبال کے لیے جمع ہو گئے۔

''ہمیں بڑے خان نے تمہارے استقبال کے لیے بھیجا ہے اور ہدایت کی ہے کہ نہایت عزت کے ساتھ تمہیں لشکر میں لے آئیں۔''

''واقعی خان نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔ مجھے اس استقبال کی توقع نہیں تھی۔''

''ان کا خیال تو یہ تھا کہ استقبال کے لیے وہ خود ہمارے ساتھ آئیں لیکن وہ آج کل بیمار ہیں۔''

''میں تو معمولی سی سلطنت کا شہنشاہ ہوں۔ میرا استقبال بڑے خان کے افسروں نے کیا، میرے لیے یہی بہت ہے۔''

یہ سپاہی اور افسر اسے نہایت عزت کے ساتھ لشکر میں لے آئے اور نہایت شاندار خیموں میں ٹھہرا دیا۔ کئی اعلیٰ افسر اس کے خیمے میں جمع ہو گئے اور اس کا حال دریافت کرنے لگے۔

''میں رسم کے مطابق خان کے لیے کچھ تحفے لے کر آیا ہوں۔ اگر تم لوگ مجھے اس کے یورت میں لے چلو تو اس کی مزاج پرسی بھی کر لوں گا اور تحفے بھی نذر کر دوں گا۔'' شہنشاہ نے کہا۔

آٹھواں عجوبہ

18 اپریل 1955ء کی رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے۔ چھہتر سالہ بوڑھے مریض کی اکھڑی اکھڑی سانسوں کا تسلسل مزید بگڑتا جارہا ہے۔ لبِ مرگ بوڑھے مریض نے اپنی مادری زبان ڈچ میں کچھ الفاظ بڑبڑائے اور ابدی سکون کی آغوش میں چلا گیا۔ اس کی موت واقع ہونے کے بعد سات گھنٹے کے اندر اندر اس کے بیٹے کی اجازت پر اس کا دماغ نکال لیا گیا۔ تھامس پاروی نے دماغ نکالنے کے اس عمل میں اپنی بھرپور صلاحیتیں استعمال کیں اور پھر دنیا کے اس بہترین دماغ کو کیمیائی لیبارٹری میں بھیج دیا گیا جہاں اس کے دماغ پر تحقیق و مطالعہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ دنیا کے بڑے بڑے ماہرین نے دن رات اس دماغ کے معائنہ پر کام کیا۔ اس کے دماغ کا موازنہ ترانوے ایسے مرد و خواتین کے دماغوں سے کیا گیا جنہیں غیر معمولی تو نہیں البتہ ذہین ضرور کہا جا سکتا ہے۔ بالآخر ماہرین نے 19 جون 1999ء کو جو رپورٹ تیار کی اس نے سننے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ مطالعہ کے دوران میں ماہرین نے دیکھا کہ اس کے دماغ اور ان ترانوے دماغوں کی ساخت میں کچھ بنیادی فرق پایا جاتا ہے اور یہ انکشاف بلاشبہ حیران کن تھا کہ اس کے دماغ کی ساخت بھی مختلف تھی۔ حالانکہ انسانی دماغ کی ہیئت اور ساخت تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے۔ ماہرین نے دیکھا کہ اس کے دماغ کا ایک حصہ موجود ہی نہیں ہے جسے پیریٹل اوپرکیولم (Parietal Operculum) کہا جاتا ہے۔ یہ حصہ دماغ کے آگے اور پیچھے والی لوب (Lobe) میں واقع ہوتا ہے۔ اس کی بجائے اس دماغ میں پوسٹیریر (Posterior) جسے عقبی لوبز کہتے ہیں' کا سائز غیر معمولی بڑا تھا یعنی نارمل دماغ سے زیادہ تھا۔ ایک اور واضح فرق یہ تھا کہ دماغ کے کنٹرولز سے زیادہ اس کے نصف کرہ پر واقع سلوٹوں (Furrows) میں نسبتاً زیادہ توازن پایا جاتا تھا اور دماغ کے پچھلے حصے کے ابھار یعنی لوبز، کنٹرولز کے مقابلے میں زیادہ نمایاں تھے اور یہ ابھار نصف کرہ کے بائیں طرف زیادہ ہے جبکہ کنٹرولز کی نسبت دماغ کے عقبی حصے کے لوبز کا گھیراؤ پندرہ فیصد زیادہ ہے۔ دماغ کا یہ حصہ انسان کے بصری اور اس حصے کو آپس میں ملاتا ہے جس کا تعلق حساسیت سے ہے۔ عقل' معلومات اور مشاہدات اور تصوراتی حسوں کا تعلق دماغ کے اسی حصے سے ہے۔ یہ عجوبہ دماغ بیسویں صدی کے ذہین ترین انسان آئن اسٹائن (Einstein) کا ہے۔ آئن اسٹائن بچپن سے بہت زیادہ سوچنے کا عادی تھا۔ اس کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں عام بچوں سے زیادہ تھیں۔ اس کے دماغ کے مطالعے سے بھی اس کے ذہن کی غیر معمولی ساخت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ گویا آئن اسٹائن کے دماغ نے ثابت کر دیا کہ ذہانت کا تعلق پیدائشی ذہنی خصوصیات سے ہے۔

فیصل دین پوری۔ خانپور کٹورا

''ہم ضرور ایسا کرتے لیکن خان بیمار ہے۔ اس کا حکم ہے، کوئی اس کے خیمے میں نہ آئے۔ آج رات قیام کیجیے، شاید کل تک خان کی طبیعت سنبھل جائے۔''

جب رات ہوئی تو شہنشاہ اور اس کے ساتھیوں کو ضیافت کے بہانے ایک بڑے خیمے میں پہنچا دیا۔ یہاں اس کے ساتھیوں کو اعزازی خلعت پہنائے گئے اور شہنشاہ کو اعلیٰ افسروں کے جھرمٹ میں بٹھا دیا گیا۔

ابھی وہ بدنصیب شہنشاہ اپنی قسمت پر رشک بھی نہیں کرنے پایا تھا کہ اس کی آنکھوں نے ایک بھیانک منظر دیکھا۔ انہی سرداروں نے جن کے جھرمٹ میں وہ بیٹھا تھا، تلواریں بے نیام کیں اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اب وہ سمجھا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے لیکن یہ دھوکے خانہ بدوشوں کی زندگی میں روز کا معمول تھے۔ ایک تلوار اس کی طرف بڑھی اور اس نے سر جھکا دیا۔

خان کی ایک وصیت پوری ہو چکی تھی۔ اب اس کے شہزادے اور افسران اس کی لاش صحرائے گوبی لے جانا

چاہتے تھے تاکہ پوری قوم اس کا دیدار کرلے اور پھر اسے بورتائی کے گھر پہنچانا تھا۔ وہ جب سے اسلامی علاقوں کی فتح کے لیے نکلا تھا، اسے وطن واپس ہونا نصیب نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ ہر کامیابی کے بعد اس نے یہ خواہش کی تھی۔ وہ معرکہ آرائیوں میں گھرتا گیا اور وطن سے دور ہوتا چلا گیا۔ اب کوئی معرکہ اس کے سامنے نہیں تھا۔ اب اسے وطن لے جانا ضروری تھا۔ زندہ نہ سہی، مردہ سہی۔ جہاں وہ پیدا ہوا تھا جہاں اس نے بچپن گزارا تھا۔ جہاں وہ بورتائی کو بیاہ کر لایا تھا۔ اسے دفن بھی وہیں ہونا چاہیے۔

وہ سنگ کے علاقے میں مرا تھا۔ اسے سنگ سے گوبی تک لے جانا تھا۔ اس کی لاش ایک چھکڑے میں سوار کی گئی جسے بیل کھینچ رہے تھے۔ اس کا محافظ دستہ اور بیٹے گھوڑوں پر سوار اس کے ساتھ ہوئے۔ لشکر نے ''سنگ'' کی سرکوبی کے لیے خروج کیا اور محافظ دستہ چنگیز کی لاش کو لے کر گوبی کی طرف چلا۔

ایک سوار کہیں سے آرہا تھا۔ اس نے سر جھکائے محافظ دستے کو چلتے ہوئے دیکھا۔ چھکڑے پر کسی کا جنازہ رکھا ہوا دیکھا تو وہ سوار قریب آ گیا۔

''یہ کس کا جنازہ ہے۔ کیا بڑا خان مر گیا؟'' اس نے ایک محافظ سے پوچھا۔

''ہاں، وہ مر گیا اور اب تو بھی مر جائے گا۔'' محافظ نے کہا اور تلوار نکال کر سرتن سے جدا کر دیا۔

اس کے بعد جو بھی راستے میں ملا، اسے قتل کر دیا گیا تاکہ کسی کو اس کے موت کا علم نہ ہو سکے۔ یہ ضروری بھی تھا کیونکہ اس کی تلوار اب درمیان میں نہیں تھی۔ اس کے رعب سے دشمنوں کے کلیجے دہلتے تھے۔ اس وقت کوئی بھی بغاوت اٹھ کھڑی ہو سکتی تھی۔

جب ریگستان شروع ہو گیا تو اب اس کی موت کو چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ سپاہیوں نے جنازے کے ساتھ ساتھ بہ آواز بلند ماتم شروع کیا۔

اے آقا بگدو، تو ہمیں اس طرح چھوڑ کے چلا گیا
تیرا پیدائشی ملک اور اس کی ندیاں تیرا انتظار کر رہی ہیں
تیرے خوش قسمت مکان میں تیرا سنہرا مکان
جس کے اطراف بہادر سورما کھڑے ہیں، تیرا انتظار کر رہا ہے تو ہمیں کیوں اس گرم سرزمین میں پیچھے چھوڑ گیا
جہاں تیرے اتنے دشمن مرے پڑے ہیں۔

☆☆☆

جیسے جیسے ریگستان کی سطح طے ہوتی گئی۔ اس ماتم میں دوسرے لوگ بھی شریک ہو گئے۔ جنگی نغمے یکتارے پر گانے کا رواج تو تھا ہی، یہی رزمیہ گیت اس کے نام سے اس وقت گائے جا رہے تھے۔

''جب بھی تو شہباز کی طرح جھپٹا کرتا تھا، اب ایک لڑکھڑاتی ہوئی گاڑی تجھے اٹھائے لے جا رہی تھی

اے میرے خان!

کیا تو سچ مچ اپنے بال بچوں، اپنی قوم کی قرولتائی کو چھوڑ کے چلا گیا؟

اے میرے خان!

کبھی تو ہماری سرداری کرتا تھا، عقاب کی طرح چکر لگاتا تھا۔ اب تو لڑکھڑا کر گر چکا ہے۔

اے میرے خان!

یہ جلوس اس کے گھر تک پہنچا جہاں اس کی پہلی بیوی بورتائی اور دوبیری بہت سی بیویاں اس کے انتظار میں بال کھولے کھڑی تھیں۔ انہوں نے اپنے خان کو وصول کیا اور بین کرنے بیٹھ گئیں۔

ہرکارے سوار ہو کے چراگاہوں کے راستے ہر طرف دوڑ گئے تاکہ دور دراز سپہ سالاروں کو اس کے مرنے کی خبر سنائیں۔ وہ آئیں اور اسے آخری مرتبہ دیکھ لیں۔

اب اسے دفن کرنے کا مسئلہ تھا۔ بورتائی نے یاد دلایا، جب شاہ خوارزم کو نیچا دکھانے کے لیے نکلا تھا تو ایک جگہ ایک خوب صورت جنگل میں صنوبروں کے ایک اونچے جھنڈ کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''یہ جگہ ہرنوں کے شکار کے لیے اچھی ہے اور بوڑھے کے آرام کرنے کے لیے بھی مناسب ہے۔''

جب آخری سردار اس یورت کے دروازے پر پہنچ کر اتر چکا جس میں چنگیز خان کی لاش رکھی تھی، تو ایک مرتبہ پھر اس کی لاش کو چھکڑے پر رکھ کر اس جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک بڑے درخت کے نیچے گڑھا کھودا گیا۔ مغلوں نے بلند آواز اس کا تحریر کیا ہوا مجموعہ قوانین ''یاسا'' پڑھنا شروع کر دیا اور اس وقت تک پڑھتے رہے جب تک اسے گڑھے میں اتار کر گڑھے کو پاٹ نہیں دیا گیا۔

ایک قبیلے کو فوجی خدمت معاف کر دی گئی اور صرف یہ فرض سونپا گیا کہ وہ اس مقام کی نگرانی کرے جہاں چنگیز خان دفن کیا گیا تھا۔ درختوں کے جھنڈوں میں خوشبو جلا دی گئی اور لوگ واپس آ گئے۔